روح کا مکین
نبیلہ عزیز
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

روح کا مکین

وہ اس کے چلانے کی آواز سیڑھیاں چڑھتے ہی سن چکا تھا اور یہ بھی جان چکا تھا کہ وہ کیوں اور کس پہ چلا رہی ہے؟ جب ہی وہ کچھ سوچتے ہوئے بھاری قدم اٹھاتا کمرے کے عین سامنے پہنچ گیا تھا، جب اندر سے فیروز صاحب کی دھیمی اور تھکی تھکی سی آواز سنائی دی تھی۔

''وہ بہت اچھا اور سمجھدار لڑکا ہے، اتنا بڑا اور اہم فیصلہ کسی جذباتی پن یا ہمدردی میں آ کر نہیں کر سکتا۔ اس نے یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا؟''

''اس نے صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے، ورنہ وہ وہی شاہ میر نواز ہے جسے عید فیروز سے نفرت تھی، جو عید فیروز کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا، آج وہ بیٹھے بٹھائے اپنے فیصلے میرے حق میں کیوں کرنے لگے؟ صرف اس لیے کہ وہ مجھ پہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ اس کے سوا دنیا میرے لیے ختم ہو گئی ہے۔ نہیں پاپا! مجھے شاہ میر نواز سے شادی نہیں کرنی۔ بے شک دنیا میرے لیے ختم ہو جائے، میں تنہا رہ جاؤں گی، میں مر جاؤں گی لیکن شاہ میر نواز کا سہارا کبھی نہیں لوں گی۔'' وہ اونچی آواز میں بولتی نڈھال ہو رہی تھی اور فیروز صاحب بے بس سے بیٹھے تھے۔

''بیٹا! وہ تمہارا کزن ہے، تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچ سکتا۔ تم گزری باتوں کو ذہن سے نکال دو۔ بچپن اور جوانی میں بڑا فرق ہوتا ہے، تمہیں آج کا سوچنا چاہیے۔ وہ سچ مچ تمہیں......''

''پلیز پاپا! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں، یہ باب بند کر دیں۔ میرا کوئی کزن ہے نہ میرا کوئی اپنا ہے۔ میں پہلے ہی بے بس ہوں، مجھے اور بے بس مت کریں۔ مجھے میرے حال میں جینے دیں پلیز۔'' وہ ہاتھ جوڑتی روہانسی ہو رہی تھی۔

''لیکن بیٹا! اس طرح زندگی کیسے......''

''زندگی......؟'' وہ ان کی ادھوری بات پہ چیخ اٹھی تھی۔ ''کون سی زندگی پاپا! یہ...... یہ میری زندگی ہے؟ یہ آپ کو زندگی نظر آتی ہے۔'' وہ کہتے کہتے بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ ''مجھے تنہا چھوڑ دیں۔'' اس سے مزید باہر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ادھ کھلا دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا۔ وہ تو اسے دیکھ کر ہی نفرت سے رخ موڑ گئی تھی، جبکہ فیروز صاحب کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ چند سیکنڈ کمرے میں خاموشی چھائی رہی اور اس خاموشی کو وقفے وقفے سے اس کی سسکیوں کی آواز بے ترتیب کر رہی تھی اور یہی آواز فیروز صاحب کے لیے اذیت کا باعث بن رہی تھی اور ان کی تکلیف کا احساس کرتے ہوئے اسے بولنا پڑا تھا۔

''انکل! پاپا آپ کو نیچے بلا رہے ہیں۔'' اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ جیسے کہہ رہا ہو۔ ''آپ جائیے، اس سے میں نپٹ لیتا ہوں۔'' اور وہ قدرے توقف سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے ان کے قدم بوجھل لگ رہے تھے۔

اس نے پل بھر کے لیے پاس سے گزرتے فیروز صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مضبوط ہاتھ کا مبہم سا حوصلہ دیا تھا، اور وہ جاتے جاتے ریلیکس ہو گئے تھے، کمرے میں کافی چیزوں کی توڑ پھوڑ بھی نظر آ رہی تھی۔ وہ تو ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا۔

احتیاط سے دروازہ بند کر کے کانچ کے ٹکڑوں کو اپنے بوٹوں تلے روندتا ہوا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اس کے سامنے آ رکا۔

''میرا خیال تھا کہ مجھے تمہارے روبرو آنے کی نوبت نہیں آئے گی اور معاملہ حل ہو جائے گا، لیکن شاید تمہیں ایسا منظور نہیں تھا۔''

''مجھے کیا منظور ہے اور کیا نہیں، یہ جاننے والے آپ کون ہوتے ہیں؟'' وہ یکدم اس کی طرف مڑتے ہوئے چلائی تھی۔

''میں کون ہوتا ہوں، بہت جلد تمہیں بتا دوں گا لیکن اس وقت میں تمہیں صرف یہ باور کرانے آیا ہوں کہ اس طرح چیخ چلا کر سب کو پریشرائز کر کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ ہوگا وہی جو میں چاہوں گا اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ بلبلا اٹھی تھی۔

''ہرگز نہیں...... میں...... میں جانتی ہوں تم اس شادی پہ کس لیے زور دے رہے ہو، تاکہ بعد میں تم اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ سکو۔ تمہیں مزید سراہا جائے لیکن...... لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ شاہ میر نواز جتنی نفرت تم مجھ سے کرتے ہو، اس سے دس گنا زیادہ نفرت میں تم سے کرتی ہوں۔ میں مر جاؤں گی مگر تم سے شادی نہیں کروں گی۔ چلے جاؤ یہاں سے، میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ آئی سے گیٹ لاسٹ فرام ہیر......'' اس کا لہجہ انتہائی ہتک آمیز تھا اور دوسرے ہی پل شاہ میر کا بھاری ہاتھ زناٹے سے اس کے چہرے پر نقش ہو گیا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے بیڈ پر اوندھی گری اور شاہ میر کا دل اس کی تکلیف پہ تڑپ کر اس کی سمت لپکا تھا مگر اس کو اپنے دل کی لگام کھینچ کر رکھنا پڑی تھی کیونکہ وہ پہلے ہی نرمی اور اپنائیت سے بدظن تھی۔

''یہ تھپڑ میں نے انکل پر چیخنے چلانے کے لیے مارا ہے۔ تمہیں اپنی بددماغی میں بڑے چھوٹے کی تمیز بھول گئی ہے، نہ تمہیں اپنا احساس ہے نہ کسی اور کا۔'' شاہ میر نے غصے سے کہتے ہوئے اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا تھا بلکہ جھنجوڑا تھا اور وہ اس کی بات پر پھٹ پڑی تھی۔

''مجھے احساس نہیں ہے، مجھے......؟'' اس نے شاہ میر کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

''عید پلیز......!'' شاہ میر نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بپھر گئی تھی۔

''بس مجھے کوئی دلیل مت دینا، ان چار سالوں میں مجھے ان دیواروں نے دلیلیں ہی تو دی ہیں اور ان دلیلوں کے سہارے ہی تو جی رہی ہوں۔ ایک ایسی زندگی جو میں ہر طرح سے ہار چکی ہوں شاہ میر جانتے ہو جینے کی خواہش کتنی شدید ہوتی ہے؟ مجھ میں بھی یہ خواہش تھی، میں بھی جینا چاہتی تھی لیکن اب......اب میں اپنے لیے موت کی دعائیں......''

''عید خدا کے لیے چپ ہو جاؤ، آگے کچھ مت کہو۔'' شاہ میر نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ شاہ میر کے ہاتھوں میں ہی چہرہ چھپا کے بلک اٹھی تھی۔

''تم بھی تو مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ تم ہی تو کہتے تھے کہ مجھ پہ اگر ایک قتل معاف ہو جائے تو میں عید فیروز کا قتل کروں گا۔ دیکھو آج...... آج میں خود تمہیں اپنا قتل معاف کرتی ہوں۔ میں بہت اذیت میں ہوں شاہ میر! مجھے اس اذیت سے نکال دو۔''

اب کی بارشاہ میر کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ "ہاں تم سچ مچ سب کو تنگ کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ تم نے ہمیشہ سب کو ستایا ہے۔ دیکھو تم نے کس کس کو ستایا ہے۔ تمہیں ثبوت چاہیے نا؟ آج میں تمہیں ثبوت دیتا ہوں۔" وہ غصے سے پلٹ کر کمرے سے چلا گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو نہ جانے کیا کیا اٹھا لایا تھا اور سب کچھ اس کے سامنے بیڈ پہ ڈھیر کر ڈالا تھا۔ "دیکھو تم نے کس کس کو ستایا ہے عینہ فیروز! دیکھو نفرتوں کے ثبوت دیکھو۔" وہ انتہائی غضب سے کہتا دھڑام سے دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ آج پہلی بار شاہ میر اس قدر بلند آواز میں بولا تھا اور اس کا یہ روپ ناقابل یقین تھا۔ وہ حیرت زدہ سی بیٹھی بیڈ پہ بکھری اشیاء کو اور کمرے کے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ان چیزوں کی سمت ہاتھ بڑھایا تھا۔ اندر بے چینی بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

آج سردی کی لہر معمول سے زیادہ تھی۔ گھروں اور سڑکوں میں بھاگنے دوڑنے والی زندگی کی گہما گہمی بہت کم نظر آ رہی تھی۔ زیادہ تر لوگ اب بھی بستروں میں دبکے ہوئے تھے لیکن ایک وہ تھی جو ہر چیز سے بے نیاز دندناتی پھر رہی تھی اور اس کے یہی حاکمانہ انداز تھے جو امیمہ بیگم کو آگ لگاتے تھے، انہیں عینہ فیروز ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی لیکن بی جان کی وجہ سے وہ آج تک کھل کر اس غصے کا اظہار نہیں کر پائی تھیں کیونکہ "گیلانی ہاؤس" میں شروع سے اب تک بی جان کا حکم چلتا آ رہا تھا اور کبھی بھی کسی نے ان کی حکم عدولی کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کے رہ جاتی تھیں بظاہر خوش باش اور "اچھی اچھی" نظر آتی تھیں مگر عینہ کی نظر اس "اچھی" کے پیچھے کا حال بھی جانتی تھی، تب ہی ان کو تنگ کرتی اور مزید چڑاتی تھی۔ ابھی بھی کچھ یہی حال تھا، وہ پورے ایریا میں سائیکل سے چکر کاٹ کے آ رہی تھی اور اس کو اتنی سردی میں باہر سے آتے دیکھ کر بی جان پریشان ہو گئی تھیں۔

"اللہ خیر کرے، کیوں اپنے ساتھ ساتھ میری جان کی بھی دشمن ہو رہی ہو تم؟ سردی دیکھی ہے آج۔ ارے ہاتھ دیکھو اس کے کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ سمیر پتر! ذرا ہیٹر تو آن کر دو، دیکھو برف ہو چکی ہے۔" بی جان اس کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر دیکھ رہی تھیں، جو ٹھنڈک سے سرخ پڑ چکے تھے۔

"بی جان! یہ برف نہیں ہو چکی، برف کا بلاک ہو چکی ہے۔ کسی گولا گنڈا بنانے والے کو دے آتے ہیں۔" سمیر بے زاری سے کہتا اٹھ کر ہیٹر آن کرنے لگا۔

"نوریہ پتر! اللہ دے انڈا ابل چکی ہو تو اس کے لیے بھی دے جاؤ، کہیں ٹھنڈ سے نمونیہ ہی نہ ہو جائے۔" انہوں نے اونچی آواز سے کہا اور امیمہ بیگم کا کلیجہ جل گیا تھا، اتنے لاڈ پیار دیکھ کر۔

"ہونہہ...... اتنی آسانی سے نمونیہ نہیں ہوگا، بڑی مضبوط ہڈی ہے کم بخت کی۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھیں۔

"دادو پراٹھا بھی۔" اس نے معصومیت کے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔

"سارہ پتر! نوریہ سے کہہ دے پراٹھا بھی دے جائے پھر اس نے اسکول بھی جانا ہے۔" انہوں نے باری باری سب کو حکم جاری کیے تھے۔

''کیا تو بیڑہ غرق کر گئی ہے اس منحوس کی۔'' نجیبہ بیگم بس تلملائے جا رہی تھیں۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' شاہ میر ایک ہاتھ میں اپنے شوز اٹھائے اور ایک ہاتھ میں اپنی ٹائی اور فائل پکڑے وہیں آ گیا تھا اور صیحہ کو صوفے پہ کمبل میں بیٹھ کر ناشتا کرتے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

''سردی لگ رہی تھی اسے، اس لیے یہیں ناشتہ منگوا لیا تھا۔'' بی جان نے فوراً وجہ بیان کی تھی۔

''اسکول کے لیے تیار ہو چکی ہو؟'' شاہ میر جھک کر شوز پہنتے ہوئے اس سے استفسار کر رہا تھا۔

''نہیں۔'' بے حد مدھم آواز سنائی دی تھی۔

''تو دیکھ کیا رہی ہو، اٹھو جلدی سے ختم کرو یہ سب۔'' وہ تسمے بند کرتے ہوئے سختی سے بولا تھا اور وہ جلدی جلدی ناشتا ختم کرنے لگی تھی، جب تک وہ تیار ہو کر آئی، شاہ میر بھی ناشتا ختم کر چکا تھا۔

''جاؤ، اب کھڑی کیوں ہو؟'' اس نے اسے کھڑے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''وہ آج میری وین نہیں آئے گی، آپ مجھے ڈراپ کریں گے۔''

''کیا......؟ لیکن مجھے تو کسی کو پک کرنا ہے۔'' شاہ میر اسے اپنے گلے پڑتے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

''لیکن مجھے تو اسکول جانا ہے۔'' وہ اسی کے سے انداز میں زور دے کر بولی تھی کیونکہ تھوڑی دیر پہلے وہی تو اسکول جانے پہ زور دے رہا تھا اور رعب جما رہا تھا۔

''تم سمیر کے ساتھ چلی جاؤ۔''

''ایم سوری، میرا آج پریکٹیکل ہے۔ میں لیٹ جاؤں گا۔'' سمیر نے ہاتھ جھاڑے۔ سو مجبوراً اسے چلنے کا اشارہ کر کے باہر آ گیا تھا۔

''میری ایک کلاس فیلو ہیں، ان کی گاڑی خراب ہے، اس لیے مجھے ان کو پک کرنا ہے۔ تم پچھلی سیٹ پہ چلی جاؤ۔'' شاہ میر نے گھر سے کچھ دور آ کر گاڑی روکی اور اسے پیچھے بھیج دیا تھا اور ادھر ایک بڑے سے بنگلے کے سامنے آ کر ہارن دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس انتہائی ماڈرن قسم کی لڑکی گیٹ سے نمودار ہوئی تھی۔

''ہائے شاہ میر......! آج لیٹ کیوں ہو گئے؟'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کافی بے تکلفی سے بولی تھی اور اس کے لفظ ''آج'' پہ صیحہ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اور اسے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ وہ اسے روزانہ پک کرتا ہے پھر وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور صیحہ چپ چاپ نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ آج اس کے سامنے شاہ میر کی ''شرافت'' کا پہلو آیا تھا، اس لیے اسے تو کچھ سوچنا ہی تھا اور اس کی سوچیں اس کے چہرے پہ صاف نظر آ رہی تھیں جن کو شاہ میر نے بیک ویو مرر سے ہی جانچ لیا تھا اور خطرے کی گھنٹی بھی سنائی دینے لگی تھی۔

☆☆☆

آج گھر میں چہل پہل معمول سے زیادہ تھی، کیونکہ آج رانیہ آپی اپنے بچوں کے ہمراہ تشریف لائے ہوئے تھیں اور ان کے آتے ہی رونقیں کچن سے لے کر گیٹ تک بچھ جاتی تھیں ان رونقوں میں عینہ پیش پیش ہوتی تھی۔ اس وقت بھی ہرا بھرا لان اس کے لیے کرکٹ اسٹیڈیم بنا ہوا تھا۔

"حمزہ! میرے بعد تمہارا اوور شروع ہوگا، دعا کرو آخری بال پہ یہ آؤٹ ہو جائے۔" اس نے وکٹ پہ کھڑی سونی کو دیکھا اور خود باؤلنگ کروانے کے لیے تھوڑی دور چلی گئی تھی۔

"ادھر آؤ۔" ایک پاؤں آگے ایک پاؤں پیچھے ہی تھا، جب عقب سے شاہ میر کی آواز آئی تھی۔ اس کا گیند والا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا تھا اور اس نے گردن موڑ کر شاہ میر کو دیکھا تھا، وہ ابھی ابھی گاڑی سے اترا تھا۔ البتہ اس نے اپنے انداز بدلنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ یوں جیسے اسٹیچو بن گئی ہو۔

"میں کہہ رہا ہوں ادھر آؤ۔" اب کی بار آواز اور لہجہ سخت تھے، وہ دانت کچکچاتی ہوئی گیند حمزہ کی سمت اچھال کر اس کے قریب آگئی۔

"تم نے میری کلاس فیلو کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو نہیں؟" شاہ میر کے لہجے میں صبح والا خدشہ بول رہا تھا۔ عینہ اور مشکوک ہو گئی۔

"وہ گاڑی والی......؟" وہ جب بھی معصومیت پر آتی تو حد کر دیتی تھی۔

"دیکھو عینہ! اس کے بارے میں بی جان، نوریہ، سارہ یا پھر کسی کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی گاڑی خراب ہے اس لیے آج کل میں اسے ڈراپ کر رہا ہوں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے کوئی غلط بات مت سوچنا۔" شاہ میر نے نہ جانے کیوں وضاحت پیش کی تھی۔

"صبح تو آپ صرف آج کہہ رہے تھے کہ اس کی گاڑی خراب ہے اور اب آج کل؟ اتنے بڑے گھر کی بیٹی ہے وہ، کیا اسے دوسری گاڑی چھوڑنے نہیں جا سکتی یا پھر اس کے گھر میں صرف ایک ہی گاڑی ہے؟" وہ بھی بال کی کھال اتارنا خوب جانتی تھی۔ شاہ میر خصہ دبا گیا تھا کیونکہ آج خود پھنسا ہوا تھا اور وہ شیر ہو رہی تھی۔

"دیکھو عینہ! تم نے کسی بات کو مرچ مسالا لگا کر کسی کو بتانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں سب کی نظروں میں مشکوک ہو جاؤں یا پھر اس لڑکی کے کردار پہ کوئی حرف آئے اور مجھے خوامخواہ صفائیاں دینا پڑیں، اس لیے تمہیں وارن کر رہا ہوں کہ اپنی زبان قابو میں رکھنا۔ سمجھیں تم؟" اس نے سختی سے کہا تھا وہ کندھے اچکا کر پلٹ گئی۔

"عینہ! کیا بات تھی، ماموں نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟" حمزہ قریب آگیا، اس کی طبیعت میں تجسس حد سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔

"تمہارے ماموں کا کسی کے ساتھ زبردست قسم کا افیئر چل رہا ہے اور وہ اسے چھپا رہے ہیں۔" وہ بھی عینہ فیروز تھی، الٹی کھوپڑی والی۔

"ماموں کا افیئر ......" حمزہ نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں اور اب کسی کو بتانا مت۔ چلو اندر چلتے ہیں اور لڈو کھیلتے ہیں اب...... باہر اندھیرا ہو چکا ہے۔" وہ بھس میں چنگاری پھینک کر سکون سے ان کے ساتھ اندر آگئی تھی جہاں رانیہ آپی براجمان تھیں۔

☆☆☆

دوسرے روز صبح ہی صبح وہ غصے سے کھولتا ہوا اس کے کمرے میں جا پہنچا تھا۔ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ سب بکواس کی؟“ وہ اسے کھا جانے کے درپے تھا اور وہ جو اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی، اپنی پنک کلر کی ٹائی کو پن لگاتے ہوئے اس کی سمت پلٹی تھی۔

”کیا ہوا ہے؟“ شاہ میر کا دل چاہا اسے گھونسا جڑ دے۔

”تم نے حمزہ اور سونی سے میرے بارے میں کیا کہا اور کیوں کہا؟ جبکہ میں منع کر کے گیا تھا اور کیا ایسی واہیات باتیں بچوں سے کی جاتی ہیں؟“ وہ تلملاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”آپ نے صرف یہ کہا تھا کہ بی جان، نویرہ، سارہ اور سمیر کو یہ بات بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حمزہ اور سونی کا تو آپ نے نام بھی نہیں لیا تھا اور اگر وہ بچے ہیں تو کیا میں بچی نہیں ہوں؟ آپ مجھ سے اس لڑکی کی بات کیوں کر رہے تھے؟“ محترمہ عینہ سے باتوں میں جیت جانا بہت مشکل کام تھا۔

”تم بچی ہو......؟ ہونہہ چلتی پھرتی آفت ہو تم۔“ وہ انتہائی غصے میں تھا۔

”میں بی جان کو بتاتی ہوں، آپ مجھے آفت کہہ رہے ہیں۔ ایک تو آپ لڑکیوں سے افیئر چلاتے ہیں اور پھر اسے چھپانے کا کہتے ہیں۔ بی جان! شاہ میر بھائی مجھے......“ وہ بلند آواز سے کہتی دروازے کی طرف لپکی تھی کہ شاہ میر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی سمت کھینچ لیا۔

”خدا کے لیے عینہ! کسی کی عزت، بے عزتی کا خیال کر لیا کرو۔ پلیز! اپنی زبان بند رکھو۔“ وہ بی جان کی وجہ سے بے بس ہو گیا۔

”آپ میرا بازو چھوڑیں۔“ وہ تیکھے لہجے میں بولی تھی اور شاہ میر اس کا بازو چھوڑ کر تلملاتے ہوئے بالآخر کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

حمزہ اور سونی نے رات سونے سے پہلے اپنے ماموں کے کارنامے کی اطلاع اپنی ماں کو دی تھی اور صبح صبح جاگنگ سے واپسی پہ ہی رانیہ آپی نے شاہ میر کی تفتیش شروع کر دی تھی جس پہ اسے کئی بار وضاحت دینا پڑی تھی کہ وہ لڑکی محض ایک کلاس فیلو ہے اور اس کی گروپ ممبر ہے اس لیے چند روز کی پک اینڈ ڈراپ کا مسئلہ تھا، جس کے لیے شاہ میر نے اسے آفر کی تھی کیونکہ وہ بھی اسی ایریا کی رہائشی تھی اور روٹ بھی ایک ہی تھا لیکن اتنی وضاحتوں کے بعد بھی رانیہ آپی کا شک دور نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے عینہ کو خاموشی سے شاہ میر پہ نظر رکھنے کو کہا تھا، جس کا اس نے بخوشی وعدہ کر لیا۔

☆☆☆

”واؤ! میں پاس ہو گئی، میرا رزلٹ آ گیا۔“ وہ دور سے ہی شور مچاتی ہوئی آ رہی تھی۔ لہجہ خوشی سے کھنک رہا تھا۔ بی جان، نواز گیلانی اور شاہ میر بیک وقت چونک گئے تھے، انہیں ہرگز امید نہیں تھی لیکن یہ سچ تھا کہ وہ اچھے نمبرز سے پاس ہوئی تھی۔

”جیتی رہو، اللہ کامیابی نصیب کرے۔“ بی جان نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر دعائیں دیں اور ماتھے پہ پیار کیا تھا۔

”تایا انکل! میرے مارکس آپ سب کی توقع سے زیادہ آئے ہیں۔“ اس نے خوشی سے چہکتے ہوئے بتایا تھا جس پر نواز گیلانی نے اسے

مبارک باد دی، سر تھپکا اور ساتھ ساتھ انعام بھی دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ حبہ ان سے انعام وصول کر کے پیچھے ہٹتی، شاہ میر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ حالانکہ وہ اسے متوجہ کر کے اپنی کامیابی کا بتانے ہی والی تھی، اسے جاتے ہوئے دیکھ کر وہ ذرا ٹھہری تھی اور پھر دوبارہ سے سب کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نوید، سارہ اور یسر نے بھی اسے مبارک باد سے نوازا تھا بلکہ یسر تو باقاعدہ اسے آئس کریم کھلانے لے گیا تھا۔

''اب میں کالج جاؤں گی نا دادو؟'' آج کل اسے پاس ہونے سے زیادہ کالج جانے کی خوشی خوش کر رہی تھی۔

''ہاں، کیوں نہیں میری بیٹی! بہت زیادہ پڑھے گی۔'' بی جان نے اس کے بال سنوارتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

''ہونہہ...... بڑا نام روشن کرے گی۔'' انیسہ بیگم دل ہی دل میں بڑبڑائیں۔

''میں سارہ آپی کے ساتھ کالج میں ایڈمیشن لوں گی۔''

''کیوں؟'' سارہ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''آپ کا کالج بہت خوبصورت اور گھر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ ابھی تو آپ نے دو سال اور پڑھنا ہے اس کالج میں، اس لیے مجھے بھی آسانی رہے گی آپ کے ساتھ۔'' حبہ پہلے سے سوچے بیٹھی تھی لیکن سارہ کو یہ منظور نہیں تھا۔

''ہو سکتا ہے میں اس سال کالج چھوڑ دوں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں ایک سال کے لیے اسٹڈی ڈراپ کر کے کچھ ریسٹ کروں، اس دوران میں مختلف کورسز کروں گی۔'' سارہ حبہ کو اپنے کالج میں افورڈ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی اسی لیے بہانے سے ٹال دیا تھا۔ سو مجبوراً اسے اپنے ایڈمیشن اور کالج کا مسئلہ نواز گیلانی کے سامنے رکھنا پڑا تھا اور چند دن میں ہی اس کا ایڈمیشن ہو بھی گیا تھا۔

☆☆☆

''حبہ! ادھر آؤ بیٹا......! تمہارے پاپا کا فون ہے، بات کر لو۔'' نواز گیلانی کی اطلاع پر فریش موڈ میں سیڑھیاں اترتی حبہ کے قدم سست پڑ گئے تھے اور یہی سستی اس کے چہرے پہ چھا گئی تھی، وہ ایک پل میں ہی بجھ سی گئی تھی۔

''ہیلو......'' دوسری طرف سے فیروز گیلانی کی بے تاب سی آواز ابھری تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سپاٹ سے لہجے میں سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ کیسی ہو میری جان! میری بچی......''

''ٹھیک ہوں۔''

''مبارک ہو بیٹا! تم نے انتہائی اچھے مارکس سے میٹرک کلیئر کیا ہے۔ مجھے سن کر بہت خوشی ہوئی ہے بیٹا!'' وہ اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

''تھینک یو۔'' اس نے بہت ہی فارمل انداز میں شکریہ ادا کیا تھا۔

''میں نے تمہارے لیے گفٹ اور تمہاری شاپنگ کے لیے کچھ رقم بھیجی ہے، بی جان سے لے لینا اور اگر کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہو تو ضرور بتانا بیٹا!'' وہ پیار بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"کیا آپ میری ضرورت پوری کریں گے؟"

"ارے کیوں نہیں میری جان! میں تمہاری ضرورت پوری نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔" وہ خوش ہوئے کہ وہ خود کوئی فرمائش کرنا چاہ رہی ہے۔

"مجھے آپ کی ضرورت ہے پاپا! مجھے کوئی گفٹ، کوئی رقم نہیں چاہیے بلکہ مجھے باپ چاہیے، میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ ماں اور باپ کی کمی کبھی کوئی چیز پوری نہیں کر سکتی۔ پلیز آپ آ جائیں، میں بہت تنہا ہوں۔" عیدہ کا لہجہ بھرا گیا تھا اور فیروز گیلانی وہیں کے وہیں بے بسی کا ڈھیر بن گئے تھے ان کے پاؤں کی زنجیر نے ان کی قوت گویائی سلب کر ڈالی تھی۔ اور عیدہ چپ چاپ ریسیور کریڈل پر ڈال کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا کہ وہ اپنے باپ سے فون پہ بات کرتے ہوئے کتراتی تھی، کیونکہ ہر بار ایسی کوئی بات نکل ہی جاتی تھی کہ فون خاموشی سے بند کرنا پڑ جاتا تھا اور پھر عیدہ کا پورا دن چپ چاپ اپنے کمرے میں گزر جاتا تھا تب باپ کے ساتھ ساتھ ماں کی کمی مزید بڑھ جاتی تھی اور وہ سب سے چھپ کر خوب دل کھول کر روتی اور جب باہر آتی تو پھر سے فریش ہو چکی ہوتی تھی۔

☆☆☆

نواز گیلانی اور فیروز گیلانی صرف دو ہی بھائی تھے، وہ دونوں کافی کم عمر تھے۔ جب باپ دل کا مریض ہو گیا اور گھر کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے تھے۔ باپ کی بیماری نے ان کی تعلیم کو بھی نگل لیا تھا اور مجبوراً وہ دونوں بھائی روزگار ڈھونڈنے میں لگ گئے۔ چھوٹا موٹا کام کرتے ہوئے وہ دونوں گھر دھکیلنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے کہ باپ کی اچانک موت نے انہیں توڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہ گئے تھے اور ماں کی کفایت شعاری دیکھتے ہوئے نواز گیلانی نے فیروز گیلانی کو تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور ذمہ داری خود اٹھالی تھی، اس طرح وہ گھر بھی انحصار پر تھے اور بھائی کی تعلیم کا بوجھ بھی۔ حالات کافی بہتر تھے جن کے بل بوتے پہ بی جان نے بڑے بیٹے کی شادی کر دی اور تین سالوں میں تین بچوں رانیہ، شاہ میر اور نوریہ کی پیدائش نے نواز گیلانی کو بوکھلا کے رکھ دیا تھا۔ انہیں ایک کندھے کی ضرورت تھی جوان کا بوجھ بٹالیتا اور یہ کندھا فیروز گیلانی کے سوا اور کس کا ہو سکتا تھا بھلا اور اپنی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی فیروز گیلانی نے انگلینڈ جانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اپنے ملک میں وہ سالوں دھکے کھاتے رہتے پھر بھی اچھی جاب ملنا ناممکن تھا اور نہ ہی ان کے حالات بدل سکتے تھے، سو پیسہ کمانے کی غرض نے انہیں اپنوں سے دور کر ڈالا تھا۔ وہ اپنا گھر بیچ آئے تھے، انگلینڈ پہنچ کر کام ڈھونڈنے میں لگ گئے لیکن ایک ویٹر، ایک کک، ایک ڈش واشر سے بڑھ کر انہیں کوئی جاب نہیں مل رہی تھی کیونکہ وہ ال لیگل تھے، انہیں یہ کام چوری چھپے کرنا تھے اور وقت گزارنا تھا لیکن فیروز گیلانی اپنے پیچھے کے حالات سے بخوبی باخبر تھے، اور حالات بدلنے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے اور انہوں نے وہ کچھ کر بھی ڈالا تھا۔

شادی..... شادی کے بعد وہ قدرے آزاد ہو چکے تھے، اچھی جگہ جاب مل گئی تھی اور انگلینڈ کی نیشنلٹی بھی ہاتھ آ گئی تھی۔ اب وہ وقت پڑنے پہ واپس پاکستان بھی جا سکتے تھے۔

لیکن وہ پاکستان نہیں گئے بلکہ دن رات محنت کرتے رہے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نواز گیلانی کا بزنس جم چکا تھا۔ وہ گھر اور گاڑی کے مالک بن چکے تھے، ان کے بچے اچھے اسکولوں میں پڑھ رہے تھے، سب کچھ سیٹ ہو چکا تھا۔ بس فیروز گیلانی کی کمی تھی اور بی جان دن رات اصرار کرتی تھیں کہ واپس آ جاؤ۔ فیروز گیلانی اپنی بیوی اور اپنی زندگی سے بہت خوش تھے۔ ایلس بہت اچھی لڑکی تھی۔ فیروز گیلانی کو بہت چاہتی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے پاکستان نہیں جانے دیتی تھی، اسے فیروز گیلانی کی بے وفائی کا خدشہ تھا لیکن وہ تمام عمر قید ہو کر بھی تو نہیں رہ سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ایلس کو بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ نہیں مانی تھی اور مجبوراً فیروز گیلانی کو ہزاروں وعدے اور قسمیں دینے کے بعد پاکستان جانے کی اجازت ملی تھی اور یوں وہ ایلس کو اپنی محبت کا اپنی واپسی کا یقین دلا کر پاکستان آ گئے تھے۔ پاکستان آ کر انہیں سچ بچ بہت خوشی ہوئی تھی، ان کے گھر کے حالات ہی نہیں بلکہ سب کچھ بدل چکا تھا۔ نواز گیلانی کے بچے بڑے ہو چکے تھے۔ بی جان خوشی خوشی زندگی گزار رہی تھیں لیکن وہ اپنی اس خوشی میں مزید اضافہ چاہتی تھیں، وہ بھی فیروز گیلانی کی شادی کی صورت اور فیروز گیلانی بی جان کی خواہش سن کر بدک گئے تھے۔

''بی جان! میں شادی کر چکا ہوں، آپ جانتی تو ہیں کہ ایلس میری بیوی ہے۔''

''دیکھ بیٹا! وہ گوری ہے، وہ کبھی بھی تیری نسل بڑھانے کا نہیں سوچے گی۔ تیری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک ایک بھی بچہ نہیں ہوا۔ بیٹا! تجھے وارث کی ضرورت ہے، کیا ساری زندگی صرف اسی گوری میم کو لے کر بیٹھا رہے گا۔''

بی جان کے مشورے انیسہ بیگم کو تپا رہے تھے، وہ اپنے گھر میں کسی دیورانی، جٹھانی کی شراکت ہرگز نہیں چاہتی تھیں۔

''لیکن بی جان! اس میں اس بے چاری گوری میم کا کیا قصور ہے۔ اگر اللہ نے اولاد دینا ہوئی تو دے دے گا۔'' انیسہ بیگم نے فیروز گیلانی کی سائیڈ لی تھی۔

''انیسہ! میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔''

بی جان نے انہیں ٹوک دیا تھا اور فیروز گیلانی کو بی جان نے بری طرح گھیر لیا تھا اور انہیں ہامی بھرنا پڑی تھی۔

اور فیروز گیلانی کو ہامی بھرتے دیکھ کر انیسہ بیگم کے خیالات نے بڑی تیزی سے کروٹ بدلی تھی۔

''اگر فیروز نے شادی ہی کرنی ہے تو ہماری ثریا کیسی رہے گی؟'' انیسہ بیگم کی بات پہ نواز گیلانی اور بی جان یکدم چونک گئے تھے۔ وہ اپنی بہن کا رشتہ سامنے رکھ رہی تھیں لیکن ثریا کا رشتہ انہیں قطعی قبول نہیں تھا کیونکہ وہ مزاج کے لحاظ سے انیسہ بیگم سے بھی چار ہاتھ آگے تھیں، اسی لیے انہوں نے صاف انکار کر ڈالا تھا اور گھر میں بدمزگی پھیل گئی تھی جبکہ بی جان اس بدمزگی کو خاطر میں لائے بغیر اپنی سرگرمیوں میں لگ گئیں اور پھر ایک روز اپنی پسند سے نجمہ بیگم کو بیاہ لائی تھیں۔ فیروز گیلانی دو ماہ بیوی کے ساتھ رہے تھے اور پھر واپس انگلینڈ چلے گئے تھے جہاں ایلس ان کا انتظار کر رہی تھی اور ایلس ان کی واپسی پہ بے پناہ خوش ہوئی تھی۔

لیکن عینہ کی پیدائش پہ جب وہ پاکستان آئے تو نجمہ بیگم بہت بیمار تھیں، ڈلیوری کے دوران ہونے والی پیچیدگیوں نے انہیں کمزور اور نڈھال کر ڈالا تھا اور شاید اندر کہیں شوہر کی جدائی اور سوتن کا غم بھی انہیں کھائے جا رہا تھا۔ شادی سے پہلے انہوں نے سوچا تھا کہ وہ ایڈجسٹ کر جائیں گی لیکن شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کا اتنی دور جا کر دوسری بیوی کے ساتھ رہنا سہہ نہیں پائی تھیں جبکہ فیروز گیلانی نجمہ بیگم کو ہر طرح سے اپنے ہونے کا مان بخشتے رہے تھے اور ان کی تکلیف کے پیش نظر وہ انگلینڈ جانے سے ایک ہفتہ لیٹ ہو گئے تھے کہ ایلس ان کو کھوجتی ہوئی پاکستان آگئی تھی اور یہاں آکر ایلس پہ انکشاف ہوا کہ فیروز شادی کر چکا ہے اور اس کی بیٹی بھی ہے۔ فیروز گیلانی اسے روکتے رہ گئے، سمجھاتے رہ گئے لیکن وہ واپس چلی گئی اور جاتے ہی ان پہ کیس دائر کر دیا تھا۔ مجبوراً نجمہ بیگم کو ان کے حال پہ چھوڑ کر ننھی سی گڑیا کو جی بھر کے دیکھے بنا وہ واپس چلے گئے تھے کیونکہ حالات سنگین ہو چکے تھے۔

☆☆☆

عینہ ایک سال کی تھی، جب نجمہ بیگم کی ڈیتھ ہو گئی تھی لیکن فیروز گیلانی، بیوی کی موت کا سن کر بھی پاکستان نہیں آسکے تھے۔ ایلس کی اس بے اعتباری اور فیروز گیلانی کی مجبوری کے کھیل میں عینہ جوان ہو گئی تھی۔ آج سے دو سال پہلے فیروز گیلانی ایلس کے ساتھ صرف پانچ روز کے ایگری منٹ پہ ملنے کے لیے آئے تھے اور عینہ، باپ کی شفقت کی تشنگی دل میں لیے چپ چاپ دیکھتی رہ گئی تھی اور اس کے اندر کی یہی محرومیوں نے اسے باغی بنا دیا تھا۔ وہ خودسر اور ہٹ دھرم ہو چکی تھی۔ وہ سب کو زچ کر دینا چاہتی تھی اور وہ ایسا کرتی بھی تھی، اس کا زیادہ ٹارگٹ انیسہ بیگم رہتی تھیں کیونکہ وہ پہلے ہی عینہ سے خار کھائے رہتی تھیں۔ دوسرا ٹارگٹ شاہ میر ہوتا تھا جو سب کو اپنے رعب میں رکھنا چاہتا تھا لیکن عینہ اس کے رعب میں نہیں آتی تھی اور شاہ میر اس کی بدتمیزیوں پہ سلگتا رہ جاتا۔ سب سے زیادہ عزت و احترام وہ نواز گیلانی کا کرتی تھی اور وہ بھی اس سے بے پناہ پیار کرتے تھے اور بی جان کی تو بات ہی الگ تھی۔

☆☆☆

اس کا کالج میں پہلا دن بہت اچھا گزرا تھا، کیونکہ اسے اپنے اسکول کی ایک کلاس فیلومل گئی تھی۔ دونوں ایک کلاس میں ایک ہی مزاج کی تھیں۔ پورا دن انجوائے کرتے ہوئے اور دوست بناتے ہوئے گزر گیا تھا۔ پانچ لڑکیوں کا یہ گروپ بہت سے وعدوں کے ساتھ دوستی نبھانے کا عہد کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گیا تھا اور پھر دوستی کا یہ سلسلہ چل نکلا تھا۔

''یار! ایک بات بتاؤ، یہ محبت ہوتی کیسے ہے؟'' عیبہ نے چپس کے پیکٹ لکالتے ہوئے پوچھا تھا۔

''یار! سمپل سی بات ہے، جب ایک فل ہائٹ کا مالک آپ کے سامنے ہو، اپنی بھوری آنکھوں سے آپ کو دیکھ رہا ہو، اپنے عنابی ہونٹوں سے اپنے پیار کا اظہار کر رہا ہو، اپنے مضبوط ہاتھوں سے آپ کے کندھے تھام کے یقین دلا رہا ہو تو سچ پوچھو یار! محبت ہو ہی جاتی ہے۔'' کاشی نے آنکھ دباتے ہوئے محبت کا کافی رومانٹک سا نقشہ کھینچا تھا۔ عیبہ کو حیرت ہوئی تھی۔

''ہائیں...... محبت کے لیے فل ہائٹ، بھوری آنکھیں، عنابی ہونٹ اور مضبوط ہونا کیا بہت ضروری ہیں؟'' عیبہ کا لہجہ فکر مند تھا۔

''ہاں یار! محبت کرو تو کسی شاندار پرسنالٹی سے۔''

''اور اگر کوئی اتنا خوبصورت نہ ہو تو......؟''

''تو پھر محبت ہی نہ کرو میری جان!'' کاشی نے حل بتایا تھا۔

''تو پھر میں اتنا ہینڈسم لڑکا کہاں سے ڈھونڈوں گی، جس سے میں محبت کر سکوں۔'' عیبہ کو فکر ستانے لگی تھی۔

''کیا تمہارے آس پاس ایسا کوئی بھی نہیں ہے، خوبصورت، ہینڈسم؟'' کاشی نے حیرانی سے کہا۔

''خوبصورت اور ہینڈسم......؟'' عیبہ نے اپنے ذہن پہ زور دے کر اپنے جاننے والوں میں سے ہینڈسم لڑکا ڈھونڈنا چاہا تھا۔

''نہیں یار! مجھے تو ایسا کوئی نظر نہیں آ رہا۔''

''کیا تمہارے کزنز میں بھی کوئی نہیں ہے؟''

''کزنز......؟'' اب کی بار عیبہ نے کزنز کو سوچا تو شاہ میر بھائی اور سمیر کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

''ہاں میرے دو کزن ہیں یار......!'' اس نے خوشی خوشی بتایا جیسے وہ چیز مل گئی ہو، جس کی اسے تلاش تھی۔

''کون...... کون؟'' کاشی نے پوچھا۔

''شاہ میر بھائی اور سمیر بھائی......''

''زیادہ ہینڈسم کون ہے؟''

''شاہ میر بھائی۔'' عیبہ نے اعتراف کیا تھا ورنہ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاہ میر کی پرسنالٹی کا اعتراف کرنے سے صاف مکر جاتی۔

''اگر بھائی کا لفظ ہٹا دو تو کیسا رہے گا؟'' کاشی نے آنکھیں مٹکا کے پوچھا تھا اور عیبہ سمجھ میں آتے ہی اچھل پڑی تھی۔

''ارے، مجھے مروانا ہے کیا، وہ میری گردن مروڑ دیں گے۔ اگر میں نے ان کے بارے میں ایسا سوچا بھی تو۔'' عیبہ چپس کا پیکٹ مٹھیوں

میں دبوچتے ہوئے چلائی تھی۔

"ارے، کچھ نہیں کریں گے لڑکیوں میں بڑا دم ہوتا ہے لڑکے منٹوں میں گھائل ہو جاتے ہیں۔"

"اور جو پہلے سے ہی گھائل ہو؟" تحریمہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تھا۔

"ان کا کسی لڑکی کے ساتھ افیئر چل رہا ہے، روز اس لڑکی کو پک اینڈ ڈراپ کرتے ہیں۔" تحریمہ نے اطلاع پہنچائی تھی۔

"تو یار اس لڑکی کو راستے سے ہٹا دو۔"

"کیسے یار......؟" تحریمہ اب اس کی باتوں سے الجھنے اور بے زار ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

"رانیہ آپی! آج میں نے اس لڑکی کو شاہ میر بھائی کے ساتھ ایک ہوٹل میں دیکھا تھا۔ شاہ میر بھائی اسے گفٹ دے رہے تھے اور وہ مسکرا رہی تھی۔"

رانیہ آپی کا دل دھک سے رہ گیا۔

"اب کیا کریں، شاہ میر کو کیسے منع کریں کہ وہ اس سے میل جول نہ رکھے۔" رانیہ آپی کا لہجہ پرسوچ اور فکرمند تھا۔

"شاہ میر بھائی کو نہیں، آپ اس لڑکی کو منع کریں جو ان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔" تحریمہ نے راستہ دکھایا۔

"اس لڑکی کو منع......مگر کیسے......؟"

"ارے آپی! سمپل سی بات ہے، اس کے گھر جائیں اور اسے کھری کھری سنا کر واپس آ جائیں۔" تحریمہ کے خیال میں یہ سب کرنا بہت آسان تھا۔

"نہیں تحریمہ! ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ شاہ میر کو ہی سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"آپی! وہ نہیں سمجھیں گے بلکہ وہ آپ پر غصہ کریں گے، اس لیے بہتر ہے کہ آپ شارٹ کٹ استعمال کریں۔" تحریمہ کی آنکھوں پہ کاشی کی پڑھائی پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس نے رانیہ کو اتنا پمپ کر دیا تھا کہ وہ اس لڑکی کے گھر جا پہنچی تھیں۔

☆☆☆

"آپ کس کے کہنے پر اریحہ کے گھر گئی تھیں؟" شاہ میر زندگی میں پہلی بار رانیہ آپی کے ساتھ اس لہجے میں بولا تھا جس پہ انہیں دکھ ہوا تھا۔

"غلط لوگوں کی صحبت کا یہی تو اثر ہے کہ تم اپنے بڑوں کے سامنے اس لہجے میں بات کر رہے ہو۔"

"غلط وہ لوگ نہیں، غلط آپ لوگ ہیں۔ آپ کی سوچ غلط ہے۔ آپ نے ہر تعلق کو ایک ہی ترازو میں تولنا سیکھا ہے۔"

"ہاں آج کل کی لڑکیاں جیسی ہیں، ان کا ہمیں خوب پتا ہے۔" رانیہ آپی نے غصے سے کہا تھا۔ اس وقت تو وہ تلملاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا مگر جب شام کو اریحہ سے واقعات کی تفصیل سنی تو اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ اس کا رخ تحریمہ کے کمرے کی طرف تھا۔

"آپ......؟" عیدہ اسے دیکھتے ہی بیڈ سے اتر گئی تھی لیکن دوسرے ہی پل وہ زنا ٹے سے پڑنے والے تھپڑ سے لڑکھڑا کر بیڈ پہ گری تھی۔

"شاہ میر بھائی......؟"

"شٹ اپ۔ اپنی گندی زبان سے میرا نام مت لینا۔ میں سمجھتا تھا تم صرف زبان کی بری ہو دل کی بری نہیں ہو مگر آج مجھے پتہ چلا ہے کہ تم زبان کی بری بھی ہو، دل کی بری بھی ہو اور دماغ کی بری بھی ہو۔ جتنی گھٹیا تم خود ہو، اتنی گھٹیا تمہاری سوچ ہے۔ تم سب کو اپنے جیسا سمجھتی ہو، حالانکہ تم صرف ایک ہو تمہارے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔" شاہ میر غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"لیکن میں نے کیا......؟"

"تم نے جو کیا ہے، اچھا کیا ہے۔ تم نے رانیہ آپی کو اریحہ کے بارے میں بتایا، میں نے اریحہ کو برتھ ڈے گفٹ دیا تم نے وہ بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ تم نے رانیہ آپی کو اریحہ کے گھر جانے پہ فورس کیا۔ تم نے انہیں اریحہ کا ایڈریس دیا، تم نے کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے مشکوک کر دیا، تم نے اریحہ کی انسلٹ ہی نہیں کروائی، مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے، پھر بھی تم کہو گی کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ عیدہ فیروز! آج اگر مجھ پہ ایک قتل معاف ہو جاتا تو میں تمہارا قتل کر ڈالتا، تم فساد کی جڑ ہو۔ امی سچ کہتی ہیں، تم مصیبت ہو، عذاب ہو اس گھر کے لیے عذاب۔" وہ غصے سے لفظ چبا چبا کر کہتا اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا اور عیدہ تھپڑ سے سن ہوتے رخسار پہ ہاتھ رکھے ساکت کھڑی شاہ میر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں شاہ میر کے نوکیلے الفاظ گونج رہے تھے۔

☆☆☆

وہ اس شخص سے محبت کرنے نکلی تھی لیکن خود بکھر کر رہ گئی تھی، اس کی ذرا سی نادانی اور بچپنے نے اسے عرش سے فرش پہ لا پٹخا تھا اور وہ ریزہ ریزہ ہوئی ذات کو سمیٹتی رہ گئی تھی۔

پہلے اسے صرف یہ احساس ہوتا تھا کہ سب اس پہ غصہ کرتے ہیں، ڈانٹتے پھٹکارتے رہتے ہیں مگر اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ نفیسہ بیگم اور شاہ میر وغیرہ صرف غصہ ہی نہیں کرتے، اس سے نفرت بھی کرتے ہیں، اسے اپنی ذات بوجھ لگنے لگی، وہ سب کی نظروں سے ہی نہیں، اپنی نظروں سے بھی چھپنے لگی، اسے صرف شاہ میر نے شکل نہ دکھانے کا کہا تھا لیکن وہ سب سے اپنی شکل چھپانے لگی۔ بے شک عیدہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا لیکن پھر بھی اس پہ یہ احساس حاوی تھا کہ شاہ میر نے جو کچھ اسے کہا ہے وہ ان کے لیے مر جانے کی حد تک ہے۔ وہ ہنستی کھیلتی خوش خوش رہنے والی عیدہ چپ ہو کر رہ گئی تھی اور اس کی اس چپ کا غم بی جان کو کھائے جا رہا تھا۔ البتہ گھر میں اور کسی کو کوئی فکر نہ تھی بلکہ سب سکون میں ہو گئے تھے۔

☆☆☆

شاہ میر ہائر اسٹڈی کے لیے ملک سے باہر جانا چاہتا تھا جس کے لیے آج کل اس کی کوششیں جاری تھیں۔ وہ اپنے یورپ جانے کا انتظام کر رہا تھا اور اسی بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ آج کل اسٹڈی ویزا کی سہولت ملی ہوئی تھی اور وہ اس سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ شاید قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی جب ہی اس کے سارے انتظامات ہوتے چلے گئے تھے اسے ایک ماہ بعد امریکا جانا تھا اور گھر والے سب ہی اس کے لیے اداس

ہو رہے تھے۔

''بھائی! آپ واپس کب آئیں گے؟'' سارہ نے کافی اداسی سے پوچھا تھا۔

''چار سال بعد انشاءاللہ! میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں گا۔'' شاہ میر نے مسکرا کر چھوٹی بہن کا ہاتھ تھپکا تھا۔

''چار سال تو بہت زیادہ ہوتے ہیں بھائی! زندگی بہت بدل جاتی ہے۔'' سارہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''اللہ سے بہتری کی دعا کرنی چاہیے گڑیا!'' اس نے بہن کو بازو کے گھیرے میں لے کر قریب کر لیا تھا۔

''بھائی! ہمارے لیے بھابھی بھی لے آنا۔'' نوریہ نے چائے کا کپ تھماتے ہوئے چھیڑا تھا۔

''اللہ خیر کرے۔ میرا بیٹا بھلا کیوں لانے لگا گوری میم۔ ہونہہ تمہارے چچا نے جو روگ پال رکھا ہے، کیا وہ کافی نہیں ہے۔'' انیسہ بیگم نے بیٹی کو ڈانٹ دیا تھا۔

''امی! میں تو بس مذاق کر رہی تھی۔'' نوریہ نے ماں کا غصہ کم کرنا چاہا تھا۔

''میں تو مذاق میں بھی ایسی بات کرنے سے ڈرتی ہوں۔ میرا بیٹا پڑھ لکھ کر آجائے تو دھوم دھام سے شادی کروں گی، سارے ارمان پورے کروں گی اپنے۔'' انیسہ نے شاہ میر کا ماتھا چوما تھا۔

''امی! اگر آپ سارے ارمان شاہ میر بھائی پہ پورے کر لیں گی تو میرے لیے کیا بچے گا؟'' سمیر نے دہائی دی تھی اور وہ سب ہنس پڑے تھے اور ان سب کو ہنستے ہوئے دیکھ کر کسی کی اداس آنکھیں گہری محرومی پہ رو رہی تھیں اور دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ کتنا مکمل کتنا پرفیکٹ منظر تھا اس کے سامنے ایک بھائی اپنی چھوٹی بہن سے پیار کر رہا تھا، بہن لاڈ سے باتیں کر رہی تھی، ماں محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، دوسرے، بہن بھائیوں کی نوک جھونک جاری تھی۔ سب کے درمیان ایک رشتہ تھا، مان تھا، محبت تھی اور ایک دوسرے کا احساس تھا۔ سب کچھ تھا وہاں، وہ سب کچھ جو صبا فیروز کے پاس نہیں تھا۔ بس دکھ تھا یا پھر آنسو تھے اور ایک گہرا احساس تھا، محرومی کا احساس۔ سمیر اور سارہ کی کسی بات پہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے شاہ میر کی نظر اوپر کی سمت اٹھی تو پھر اٹھی ہی رہ گئی۔ دونوں ہاتھ ریلنگ پر رکھے قدرے جھکی ہوئی صبا انہیں ہی دیکھ رہی تھی لیکن اس کا دیکھنا کیسا تھا؟ یہ دیکھ کر شاہ میر کی ہنسی ڈوبتی چلی گئی تھی۔

صبا اپنے احساس محرومی کو سمیٹتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ شاہ میر اس کی شکل نہ دیکھے جبکہ دوسری طرف اسکی شکل دیکھنے کی شدید خواہش جاگی تھی نہ جانے کیوں؟

صبا کا ان لوگوں کو اس طرح خاموشی سے دیکھنا اور پھر خاموشی سے ہی وہاں سے ہٹ جانا شاہ میر کے دل میں بے چینیاں بھر گیا تھا، وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں رہا تھا۔

کچھ دیر بعد شاہ میر اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر صبا سے کچھ کہنے کے ارادے سے آیا تھا، لیکن عجیب سی بات تھی کہ اسکے پاس کہنے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور جب اسکے کمرے تک پہنچا تو قدم سست پڑ گئے تھے اسی کشمکش میں اس کی نظر اٹھی تھی اور وہ اپنی جگہ تھم سا گیا تھا۔

عید نیچے کارپٹ پہ بیٹھی اپنے بیڈ سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھی اور اس کے آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔ اس کی تنہائی اس کے اکیلے پن کا احساس شاہ میر کو اچھی طرح سے ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود ایک اور احساس تھا جو شاہ میر کو اپنے گھیرے میں لے رہا تھا اور وہ اس احساس کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا، بہت سے احساسات نے اسے بیک وقت اپنے شکنجے میں لیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر عید کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں سے عید کو دیکھتا رہا تھا۔

"شاہ میر یہاں کیوں کھڑے ہو؟" امیہ بیگم اوپر آئیں تو شاہ میر کو عید کے کمرے کے سامنے کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"کک...... کچھ نہیں امی! وہ...... وہ عید رو رہی تھی، اس لیے رک گیا تھا۔"

نہ جانے کیوں وہ گھبرا گیا تھا اسے اپنا لہجہ اجنبی سا لگا تھا اور اپنے بہانے پہ حیرت ہوئی تھی۔

"عید کیوں رو رہی تھی؟" انہوں نے بیٹے کی اڑی اڑی رنگت کو مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے لیکن پھر بھی امیہ بیگم نے تصدیق کرنے کے لیے عید کے کمرے میں جھانک کر دم لیا تھا۔

"ہونہہ، اپنے پیدا کرنے والوں کو رو رہی ہوگی منحوس! ماں پیدا کر کے مر گئی، باپ گوری کے ساتھ عیاشیاں کر رہا ہے اور یہ مصیبت ہمارے سینے پہ مونگ دلنے کے لیے رہ گئی ہے۔" انہوں نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے اسے کوسا تھا اور شاہ میر ان کے کوسنے سن کر بےزار ہو گیا تھا۔ اس نے وہاں سے چلے جانے میں ہی عافیت جانی تھی لیکن دل و دماغ وہ عید کے دروازے کی چوکھٹ میں ہی چھوڑ آیا تھا۔

☆☆☆

وہ اتنی دور اتنے عرصے کے لیے جا رہا تھا اس لیے جانے سے پہلے عید سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا اور جب موقع ملتا تھا تب عید ہی منظر سے غائب ہو جاتی تھی۔ بہت دن ہو گئے تھے وہ اس کے سامنے ہی نہیں آئی تھی اور اگر اتفاقاً آ بھی جاتی تو کترا کے نکل جاتی تھی اور اسی طرح سارے دن گزر گئے اور شاہ میر کی روانگی کا وقت آ گیا۔ آج سب ہی گھر پہ تھے نویرہ، سارہ، سمیر، نواز گیلانی اور رانیہ آپی بھی شوہر اور بچوں سمیت آئی ہوئی تھیں لیکن صرف عید گھر پہ نہیں تھی، وہ کالج گئی ہوئی تھی اور پھر وہاں سے اپنی ایک دوست کے گھر چلی گئی۔ یہ کہہ کر وہ نوٹس بنانے جا رہی ہے اور شاہ میر اپنے انتظار پہ سر جھٹکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا کیونکہ اس کی فلائٹ کا وقت کم رہ گیا تھا اور ابھی ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔ گھر والے سب ہی اسے سی آف کرنے گئے تھے صرف بی جان گھر پہ تھیں۔

اور عید شام ڈھلے گھر واپس آئی تو پورا گھر اداسی کی لپیٹ میں نظر آیا تھا۔ سمیر ڈرائنگ روم کے صوفے پہ لیٹا تھا۔ سارہ اپنے کمرے میں تھی۔ نویرہ، امیہ بیگم کو تسلی دلاسا دے رہی تھی اور نواز گیلانی بی جان کے پاس شاہ میر کی باتیں کر رہے تھے۔

"السلام علیکم تایا انکل! السلام علیکم بی جان!" وہ ان کے قریب آ گئی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتی رہو۔ اتنی دیر کیوں لگا دی، شاہ میر تم سے ملنے کے لیے انتظار کرتا رہ گیا تھا۔"

نواز گیلانی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''جی وہ میں کچھ ضروری نوٹس بنانے چلی گئی تھی، دو دن بعد ہمارے ٹیسٹ شروع ہو رہے ہیں، اس لیے۔'' اس نے سنجیدگی سے بہانہ گھڑا۔

''چلو یہ بھی ضروری تھا، اچھا کیا تم نے۔'' وہ سر ہلا کر اس سے کالج کی روٹین پوچھنے لگے تھے اور بی جان اندر ہی اندر صبیحہ کی سنجیدگی پہ پریشان تھیں۔

''ابو! فیروز انکل کا فون ہے۔'' نویرہ نے انہیں پکارا تھا اور صبیحہ چونک گئی۔

''آؤ بیٹا! تم بھی اپنے پاپا سے بات کر لو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھ گئے تھے لیکن وہ بات کرنے کی بجائے چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور بی جان دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

''نویرہ آپی! جلدی کریں، پلیز میں لیٹ ہو رہی ہوں۔'' صبیحہ پراٹھے کے انتظار میں بیٹھی بے چینی سے بولی تھی۔

''اگر اتنی جلدی ہوتی ہے محترمہ تو خود بنا لیا کرو۔ نویرہ بھی انسان ہے، کوئی مشین نہیں ہے۔'' انیسہ بیگم نے تنک کے کہا تھا اور صبیحہ کی ساری بھوک اڑ گئی۔ وہ ایک نظر انیسہ بیگم اور ایک نظر نویرہ کو دیکھتی ہوئی اپنا بیگ لے کر ڈائننگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

''امی! آپ بھی کیا کرتی ہیں، سب کے لیے بنا رہی ہوں، ایک اس کے لیے بنا دوں گی تو......''

''بس چپ کر، تو اس کے لیے کب تک پراٹھے بناتی رہے گی۔ ہونہہ! خود اتنی لوٹھا ہو گئی ہے پھر بھی کام کو ہاتھ تک نہیں لگاتی۔'' انیسہ بیگم نے بیٹی کو ڈانٹ دیا تھا اور پھر اگلی صبح صبیحہ خود کچن میں پراٹھا بنانے آ کھڑی ہوئی تھی اور چند لمحوں بعد ہی اس کی چیخوں سے پورا گھر گونج اٹھا تھا۔ تپتا ہوا تھی اس کے ہاتھ اور بازو جھلسا کے رکھ گیا تھا۔

''امی......!'' اس کے منہ سے بے اختیار ماں کے لیے پکار ابھری تھی۔ بی جان نے اس کو دیکھ کر سینہ پیٹ لیا تھا۔ انیسہ بیگم بوکھلا گئی تھیں اور نویرہ شرمندہ سی کھڑی تھی۔ صبیحہ تکلیف سے تڑپ رہی تھی۔ سمیر نے بھاگ کر اس کے لیے برنال ڈھونڈی اور اسکے بازو پر لگائی۔

''تمہیں کس نے کہا تھا پراٹھا بنانے کو؟'' بی جان نے غصے سے پوچھا۔

اور ان کے سوال پہ صبیحہ کی تکلیف اور جلن کی شدت مزید بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی آنسو چھلک پڑے تھے۔

''میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں صبیحہ! تم پراٹھا بنانے کیوں آئی تھیں؟'' بی جان نے پھر پوچھا ان کے تیور بگڑے ہوئے تھے اور انیسہ بیگم نظریں چرا رہی تھیں۔

''مجھے......ج......ج......جلدی کالج جانا تھا اس......لیے خود بنانے لگی۔'' صبیحہ نے انیسہ بیگم کو کوئی دوش نہیں دیا تھا کیونکہ صبیحہ کو احساس ہو چکا تھا کہ وہ خوامخواہ سب پہ بوجھ بنی ہوئی ہے۔ جس لڑکی کے اپنے ماں باپ ہی نہیں ہیں وہ دوسروں پر رعب کیوں جماتی ہے۔ اس کا اپنا کون ہے بھلا۔ یہی سوچ کر اس نے سب سے شکوے شکایات اور ضدیں کرنا چھوڑ دی تھیں۔

''تم نویرہ سے کہہ دیتیں، وہ صبح سے اٹھی ہوئی ہے۔'' بی جان نے خفگی سے کہا تھا لیکن عیبہ پھٹ پڑی تھی۔

''نویرہ میری یا میرے باپ کی ملازم نہیں ہے، جو میرا ہر کام وہی کرتی رہے گی۔ سولہ سال ہو گئے ہیں میرا بوجھ اٹھاتے ہوئے سب کو اور اب کتنا اٹھائیں؟ زندہ ہوں میں، مر نہیں گئی ہوں صرف ہاتھ جلا ہے، کٹا نہیں ہے۔ اب بڑی ہو چکی ہوں، اپنے کام کر سکتی ہوں، آپ فکر نہ کریں بڑی مضبوط ہڈی ہے میری، آسانی سے مرنے والی بھی نہیں ہوں۔ مرنا ہوتا تو جب ماں مری تھی میں بھی مر جاتی۔'' وہ تلخ لہجے میں کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

آج اس کی وین نہیں آئی تھی، اس لیے وہ گھر سے پیدل ہی نکل آئی تھی اور ابھی وہ چند قدم دور ہی پہنچی تھی کہ سمیر کی بائیک اس کے قریب آ رکی۔

''بیٹھو، میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔''

''نہیں، میں چلی جاؤں گی۔''

''عیبہ! بیٹھو یار دیر ہو رہی ہے۔'' سمیر نے خفگی سے کہا تھا کیونکہ کافی دن ہو گئے تھے عیبہ نے کسی پہ بھی اپنا حق جتانا چھوڑ دیا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں نا کہ میں چلی جاؤں گی اور اچھا ہے ٹانگوں کی تھوڑی ورزش بھی ہو جائے گی۔'' اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں سمیر کو ٹالنا چاہا تھا۔

''عیبہ! میں آخری بار کہہ رہا ہوں، بیٹھو پیچھے ورنہ زندگی بھر تم سے بات نہیں کروں گا۔'' سمیر کی دھمکی میں کچھ اثر تھا، جب ہی مجبوراً وہ چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔

''عیبہ کافی بدل گئی ہو تم، حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ پوری دنیا بدل سکتی ہے لیکن تم نہیں بدل سکتیں۔'' سمیر نے افسوس سے کہا تھا۔

''میں بھی انسان ہوں سمیر بھائی! میں بھی بدل سکتی ہوں۔'' اس نے ہنس کر کہا تھا۔

''لیکن تم نہیں جانتیں عیبہ! کچھ لوگوں کے بدلنے پہ افسوس ہوتا ہے، وہ جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی اچھے لگتے ہیں۔ تم ہمارے گھر کی رونق ہو، ہنستی کھیلتی رہا کرو۔'' سمیر نے پیار سے سمجھایا۔

''ہاں میں گھر کی رونق ہی تو ہوں اور کچھ بھی نہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا تھا لیکن سمیر اس کی بات نہ سن سکا تھا کیونکہ سامنے فٹ پاتھ سے ایک بوڑھا آدمی اچانک روڈ پہ اتر آیا تھا۔ اس کو بچاتے بچاتے سمیر نے یکدم بائیک کو سائیڈ کی سمت موڑا تھا اور پیچھے سے آتی تیز رفتار گاڑی اس کی بائیک کو ایک جھٹکے سے اڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ عیبہ کی زوردار چیخ بلند ہوئی تھی اور پھر ان چیخوں میں اور درد کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔ پیچھے بہت سی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے تھے۔

☆☆☆

اس ایکسیڈنٹ کی خبر سے گیلانی ہاؤس کے درودیوار ہل کر رہ گئے تھے لیکن درد کا پہاڑ کس پہ ٹوٹا تھا، یہ ابھی کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔ نواز گیلانی بمشکل اسپتال پہنچے تھے، ان کے پیچھے انیسہ بیگم، بی جان، نویرہ، سارہ اور رانیہ آپی بھی پہنچ گئی تھیں لیکن اسپتال کی راہداری میں ساکت بیٹھے سمیر کو دیکھ کر وہ سب ٹھٹک گئے تھے۔

"سمیر.....!" نواز گیلانی کی آواز پہ خون میں لت پت سمیر تڑپ کر سیدھا ہوا تھا۔

"بابا.....! وہ عید....." سمیر دہشت زدہ سا باپ سے لپٹ کر رو پڑا تھا۔

"عید.....! کیا ہوا عید کو؟" نواز گیلانی چونک گئے تھے۔

"بابا..... عید میرے ساتھ..... وہ ایکسیڈنٹ..... وہ بہت زخمی ہوئی ہے..... بابا! اسے بہت..... بہت چوٹیں آئی ہیں۔" سمیر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا اور نواز گیلانی کے ساتھ ساتھ بی جان کا دل بھی مٹھی میں آ گیا تھا۔

"تم خود تو ٹھیک ہو نا؟" انیسہ بیگم نے آگے بڑھ کے بیٹے کو فکرمندی سے چھوا۔ سمیر کو خود بھی کافی چوٹیں آئی تھیں، اس کا خون بھی بہہ رہا تھا لیکن اسے اپنی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا، اسے صرف عید کی فکر تھی کیونکہ جس حالت میں وہ لوگ عید کو اسپتال لے کر پہنچے تھے، یہ وہی جانتا تھا اس کے بچنے کی امید بھی بہت کم تھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا، میں ٹھیک ہوں۔ بس عید ٹھیک نہیں ہے۔ وہ..... وہ نہیں بچے گی۔ وہ مر جائے گی بی جان وہ مر جائے گی۔" سمیر کی ذہنی حالت بہت منتشر ہو چکی تھی۔ نواز گیلانی نے ڈاکٹرز سے کہہ کر اس کی ٹریٹ منٹ کروائی اور عید کی کنڈیشن پوچھی لیکن ڈاکٹرز فی الحال کچھ بھی بتانے سے گریز کر رہے تھے۔

اور ٹھیک دو گھنٹے بعد ڈاکٹرز کے مکمل چیک اپ کے بعد پتہ چلا کہ عید کی دونوں ٹانگوں میں فریکچر ہو گیا ہے۔ جس کے لیے اس کا آپریشن ہونا ضروری تھا اور دونوں ٹانگوں کے آپریشن کا سن کر سب کے سب ساکت و صامت رہ گئے تھے اور بی جان بے ہوش ہو کر گر پڑی تھیں۔

☆☆☆

اسپتال سے ایک ماہ بعد ڈسچارج ہو کر وہ گھر آئی تھی لیکن وہیل چیئر پہ۔ اس کی ٹانگوں کا آپریشن کامیاب ہوا تھا لیکن پھر بھی اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی وہ چل نہیں سکتی تھی، اس کے لیے گھر پہ اس کا ٹریٹ منٹ ضروری تھا اور ڈاکٹرز نے بے حد اصرار سے انہیں تاکید کی تھی کہ اس کی روزانہ ایکسرسائز اور مساج بہت ضروری ہے۔ ساتھ ساتھ اس کا چیک اپ اس کی میڈیسن اور اس کی خوراک پہ پوری توجہ کی ضرورت تھی۔ وہ چلتے پھرتے ہنستے کھیلتے اپاہج ہو گئی تھی۔ وہ جو پہلے تھوڑا بہت بول بھی لیتی تھی بات کر لیتی تھی اس حادثے کے بعد بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا کافی خیال رکھتی رہی تھی۔ پھر نویرہ کے ایگزامز شروع ہوئے تو عید پر توجہ کم ہو گئی تھی۔ سارہ پتہ نہیں کن کاموں میں مصروف رہتی تھی۔ وہ کبھی کبھار ہی عید کے کمرے میں آتی تھی۔ سمیر روزانہ آتا تھا لیکن وہ لڑکا تھا، نہ تو وہ عید کو ایکسرسائز کروا سکتا تھا نہ ہی اس کے مساج کر سکتا تھا۔ البتہ وہ اس کی میڈیسن اور کھانے پینے کا کافی دھیان رکھتا تھا۔ اس حادثے کے دو ماہ بعد فیروز گیلانی کا فون آیا تھا اور عید کے لیے بہت پریشان ہو رہے تھے جب سے عید

کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا، بی جان بستر سے لگ گئی تھیں اسی لیے عینہ کی سہولت کے لیے فیروز گیلانی نے ایک ملازمہ کا بندوبست کرنے کو کہا تھا جو سمجھ دار بھی ہو اور ہر وقت عینہ کے ساتھ بھی رہے۔ فیروز گیلانی کا آئیڈیا نواز گیلانی کو بہت اچھا لگا تھا اور پسند آیا تھا وہ ان کا فون سن کر عینہ کے پاس ہی آئے تھے لیکن عینہ نے فیروز گیلانی کا نام سنتے ہی انہیں روک دیا تھا۔

"پلیز انکل! مجھ سے کسی کی بھی بات مت کیا کریں، مجھے کسی کا بھی ذکر نہیں سننا۔"

"لیکن بیٹا! تم جانتی تو ہو وہ......"

"ہاں میں جانتی ہوں کہ اگر میں مر بھی جاتی تو وہ میرا جنازہ پڑھنے نہ آتے، صرف اس ڈر سے کہ ان کی بیوی ان پہ کیس کر دے گی۔" عینہ چیخ کر بولی تھی۔

"بیٹا! وہ بھی تو مجبور ہے، اگر وہ بیوی کی اجازت کے بغیر یہاں آ جاتا ہے تو تم جانتی ہو اسے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر پولیس اپنی کسٹڈی میں لے لے گی اور ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے پھر وہ جیل چلا جائے گا، الٹا ہم ہی پریشان ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے اسے سمجھایا۔ ٹھیک ہے تایا انکل! جو جیسا ہے ٹھیک ہے، میں کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کر رہی۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ میرے سامنے میرے کسی بھی نام نہاد رشتے کا کوئی ذکر نہ ہو، اگر ماں کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو باپ کے نہ ہونے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ پہلے سب کے درمیان گھس کر بیٹھتی تھی پھر بھی تنہا رہتی تھی۔ اب کمرے میں اکیلی بیٹھی رہتی ہوں اب بھی تنہا ہی رہتی ہوں کچھ خاص فرق تو نہیں پڑا۔ زندگی چل رہی ہے زندہ سلامت ہوں بس یہی فرق آیا ہے کہ نا کہ میں چل نہیں سکتی، معذور ہو گئی ہوں، ٹانگیں اپاہج ہو گئی ہیں میں رک گئی ہوں، باقی سب کچھ چل رہا ہے، زندگی چل رہی ہے وقت چل رہا ہے اور سانسیں بھی چل رہی ہیں۔" وہ بہت بے تاثر سے سپاٹ لہجے میں نہ جانے کیا کہہ رہی تھی اور نواز گیلانی بھیگی آنکھوں سے واپس پلٹ گئے تھے۔

☆☆☆

بی جان نے دو سال عینہ کا دکھ دل پہ سہا تھا اور دو سال بعد وہ اس دکھ کا بوجھ دل پہ لیے خالق حقیقی سے جا ملی تھیں۔ ان کی موت کا دکھ کسی اور کو شاید ہوا تھا یا نہیں عینہ کو توڑ کے رکھ گیا تھا۔ اس گھر میں صرف بی جان ہی تو تھیں۔ دونوں طرح کا پیار دیا تھا، ہمیشہ اس کے لیے ڈھال بنی تھیں۔ عینہ قسمت کا یہ وار بھی بڑی بہادری سے سہہ گئی تھی۔

شاہ میر کے ان دنوں ایگزامز ہو رہے تھے، اس لیے وہ چاہنے کے باوجود نہیں آ سکا تھا۔

اور فیروز گیلانی نے پہلی بار ایک انتہائی قدم اٹھا لیا تھا۔

وہ ایلس کو طلاق دے کر اچانک پاکستان روانہ ہو گئے تھے۔ ایلس یقیناً برطانیہ ایمبیسی کے ذریعے ان پہ کیس کر دیتی لیکن اس بار شاید قسمت کے فیصلے کچھ اور تھے۔ اچانک ایلس کی بہن اور بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ دونوں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور ایلس غم زدہ سی فیروز گیلانی کی بے وفائی بھی فراموش کر گئی تھی۔ شاید اسے فیروز گیلانی کے دکھ بھی یاد آ گئے تھے۔ اس پہ بھی ادراک ہو چکا تھا اپنوں کو چوٹ پہنچے تو کسی تکلیف ہوتی ہے اور اس تکلیف کے باوجود کسی کو قید کر کے رکھنا اپنی پابندی جمائے رکھنا بھی کسی ظلم سے کم نہیں تھا۔

☆☆☆

''گڈ مارننگ عیدہ جی......'' سمیر دروازہ ناک کرکے اندر چلا آیا تھا۔ وہ جو بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی کب سے کھلی کھڑکی سے نظر آنے والے آسمان کو دیکھے جا رہی تھی سمیر کی آواز پر چونک کر نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' سمیر نے کھڑکی کی سمت دیکھا تھا۔

''دیکھ رہی ہوں کہ آسمان بھی معذور ہی ہے نا، یہ بھی تو کہیں آنے جانے کے قابل نہیں ہے۔'' اس کی بات پر سمیر ذرا دیر کے لیے چپ کر گیا تھا۔

''چپ کیوں ہو گئے ہو؟''

''عیدہ! جب بھی سوچتا ہوں کہ تمہارا مجرم میں ہوں تو سچ پوچھو دل سے یہی آہ نکلتی ہے کہ کاش میں معذور ہو جاتا لیکن تمہیں کچھ نہ ہوتا۔ اس روز میں نے ہی تمہیں زبردستی اپنی بائیک پر بٹھایا حالانکہ تم انکار کر رہی تھیں۔ کاش! میں اس روز تمہیں پیدل ہی جانے دیتا۔'' سمیر کی ندامت پھر سے تازہ ہو گئی تھی وہ مجرم بنا کھڑا تھا۔

''چھوڑو اس بات کو تم یہ بتاؤ آج تم میرے کمرے کا رستہ کیسے بھولے ہو؟'' عیدہ نے گزری بات کو چھوڑ کر ''آج'' پر زور دیا تھا اور سمیر کو مزید شرمندگی ہوئی تھی۔

''یار! پڑھائی میں بہت بزی رہتا ہوں اور جب فارغ ہو جاتا ہوں، تب بابا کسی نہ کسی کام سے باہر بھیج دیتے ہیں۔ شام کو جم جانا ہوتا ہے اور رات کو تھوڑی دیر کے لیے جب فارغ ہوتا ہوں تب تم سو چکی ہوتی ہو۔'' سمیر نے وضاحت پیش کی تھی۔

''ہونہہ! بے بس لوگ کبھی سو نہیں پاتے سمیر! ساری رات وہ اپنی بے بسی اور لاچاری سوچتے سوچتے صبح کر دیتے ہیں۔'' وہ تلخی سے ہنسی تھی اور سمیر ایک بار پھر کچھ نہ کہہ سکا تھا۔ عیدہ اپنی مایوسی اور بے بسی پہ سر جھٹکتی ہوئی اپنے آپ کو سرزنش کرنے لگی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں سمیر! کس لیے آئے تھے صبح صبح؟ لگتا ہے میں نے تمہیں پریشان کر دیا ہے۔ ڈونٹ وری ڈیئر مجھ جیسے لوگوں کی باتوں کا برا نہیں منانا چاہیے۔'' اس نے ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہا تھا۔

''میں تمہیں ایک گڈ نیوز دینے آیا تھا۔''

''گڈ نیوز؟''

''آج شاہ میر بھائی آ رہے ہیں۔'' سمیر نے خوشی خوشی اطلاع دی تھی لیکن عیدہ کی سوچ ایک پل میں ڈوب کر ابھری تھی۔ ''چار سال گزر گئے؟'' یعنی وہ چار سال سے اس حال میں بیٹھی تھی۔

''عیدہ! تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟'' سمیر نے بے تکا سا سوال کیا تھا۔

''ہوں، ہاں اچھی نیوز ہے۔ مبارک ہو۔'' اس نے کہہ کر چہرہ جھکا لیا۔

''کیا ہوا؟''

"کچھ نہیں۔ میں تھک گئی ہوں۔ تھوڑی دیر ریلیکس کرنا چاہتی ہوں۔"

"او کے، میں چلتا ہوں، پھر ملتے ہیں۔" وحید کا ہاتھ تھپک کر باہر نکل گیا تھا اور عید کتنے ہی لمحے ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اتنا وقت گزر گیا تھا، اتنا سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ آج بھی وہیں کی وہیں تھی اس نے بھرائی ہوئی آنکھوں سے وہیل چیئر کو دیکھا تھا اور پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا اس کی سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں اور وہ اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی ہوئی گھٹ گھٹ کے رونے لگی تھی۔ اپنی تہی دامنی کا احساس آج بھی حاوی ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"عیبہ کہاں ہے؟" شاہ میر کو گھر آئے ہوئے پورا دن گزر گیا تھا لیکن پھر بھی عیبہ کہیں نظر نہیں آئی تھی، جب ہی اس نے بالآخر خود ہی پوچھ لیا تھا۔

"اپنے کمرے میں۔" سارہ نے لاپروائی سے کہا تھا، سارہ کا مزاج اپنی ماں جیسا ہی تھا، وہ بھی عیبہ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی۔

"کیا اسے میرے آنے کا پتہ ہے؟"

"شاید ہاں۔" سارہ نے کندھے اچکائے تھے۔

"پھر وہ باہر کیوں نہیں آئی؟" شاہ میر کے سوال پہ سارہ نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا، کیونکہ شاہ میر کا سوال کافی حیران کن تھا۔

"آپ کو نہیں پتہ؟" سارہ کو حیرت ہو رہی تھی۔

"کس چیز کا؟"

"یہی کہ عیبہ باہر کیوں نہیں آئی؟"

"شاید اس لیے کہ وہ چار سال گزر جانے کے بعد بھی مجھ سے خفا ہے۔" شاہ میر کو جس چیز کا گمان تھا اس نے وہی کہا تھا۔

"لیکن میرے خیال میں آپ کو کچھ بھی پتہ نہیں ہے اگر آپ عیبہ سے ملنا چاہتے ہیں تو اس کے آنے کا انتظار مت کریں۔ اس کے کمرے میں جا کر خود مل لیں۔" سارہ نے عجیب مبہم سے انداز میں کہا تھا اور شاہ میر نے الجھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی امیمہ بیگم کو دیکھا۔

"امی! عیبہ کمرے میں کیوں ہے، یہ سارہ کیا کہہ رہی ہے؟" شاہ میر کے سوال پہ امیمہ بیگم کا رنگ بدلا تھا۔

"ارے بیٹا! یہ ملنا ملانا تو ہوتا رہے گا، تم سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو، کمرے میں جا کر آرام کرو، نیند پوری ہو گی تو فریش ہو جاؤ گے۔"

امیمہ بیگم کے ٹالنے والے انداز پہ شاہ میر ٹھٹک گیا تھا، اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"میں فریش ہی ہوں، ایک بار عیبہ سے مل لوں۔" وہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

امیمہ بیگم کو پتنگے لگ گئے۔

"اسی دن کا تو ڈر تھا مجھے، مجھے پتہ تھا یہ لڑکا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اسے ہمدردی کا بخار چڑھ جائے گا۔" وہ ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ کھڑی بڑبڑا رہی تھیں۔

"کیا ہوا بھابھی! خیریت تو ہے نا؟" فیروز گیلانی مسجد سے عشاء کی نماز پڑھ کر آئے تھے، انہیں دیکھ کر رک گئے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔

☆☆☆

عیبہ وہیل چیئر پہ بیٹھی کھلی کھڑکی سے باہر کی روشنیاں دیکھ رہی تھی جب اس کے پیچھے کھٹکے کی آواز ابھری۔ اس نے چونک کر پیچھے دیکھا، اسے اس وقت فیروز گیلانی کی آمد کی توقع تھی، وہ نماز پڑھ کر اس کے پاس ہی آتے تھے لیکن آج ان کی جگہ شاہ میر کو دیکھ کر وہ تھم سی گئی تھی جبکہ شاہ میر کو یوں لگا جیسے اس کا دماغ ایک دھماکے سے اڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ عیبہ، شاہ میر کے چہرے پہ زلزلے کے سے آثار

دیکھ کر چونک گئی تھی۔ اس کی حالت کافی ابتر حالت تھی، وہ کتنے ہی لمحے عیدہ کو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا دیکھتا رہا تھا اور پھر چند سیکنڈز بعد اسی خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا، اس کی خاموشی خاصی خوف ناک تھی۔

"امی...... سارہ...... سمیر......" اس نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی کافی بلند آواز سے سب کو پکارا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" نواز گیلانی اور انیسہ بیگم آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ نواز گیلانی کو بیٹے کی اتنی بلند آواز پہ حیرت ہوئی تھی۔

"عیدہ! کب سے چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہے؟" اس نے انیسہ بیگم کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں، کیا تمہیں نہیں پتا؟" وہ انجان بنتے ہوئے بولیں۔

"مجھے صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ عیدہ اور سمیر کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ سمیر بچ گیا ہے جبکہ عیدہ کی ٹانگوں میں فریکچر ہو گیا ہے اور اس کی ٹانگوں کا آپریشن ہوا آپریشن کامیاب ہوا ہے، جس کے بعد عیدہ اب بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے چبا چبا کر کہتے ہوئے ماں کو بغور دیکھا تھا۔

"تو اس وقت وہ ٹھیک ہی تھی نا؟" انیسہ بیگم تیزی سے بولیں۔

"اس وقت ٹھیک تھی تو کیا اب پھر اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے جو وہ دوبارہ سے معذور ہو کر وہیل چیئر پہ بیٹھی ہوئی ہے۔" شاہ میر مزید غصے میں آ گیا تھا۔

"ڈاکٹرز نے تو یہی کہا تھا کہ وہ اب ٹھیک ہو چکی ہے اور میں نے بھی تمہیں یہی بتایا تھا، اب اس لڑکی نے خود ہی چلنے پھرنے کی ایکسرسائز کرنے کی کوشش نہیں کی تو ہم بھلا کیا کر سکتے تھے؟" انہوں نے ناگواری سے کہا۔

"امی! ایک معذور، اپاہج محتاج انسان خود کچھ بھی نہیں کر سکتا، دوسرے اس کا سہارا بنتے ہیں، تب وہ کچھ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کی لاپروائی اور بے حسی دیکھ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ اس کی محتاجی کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں، بہت حوصلہ بہت جگرا ہے آپ لوگوں کا۔ ایک ہنستی کھیلتی لڑکی کو گھر کے ایک کمرے میں بٹھا کر بہت ٹھاٹھ سے زندگی جی رہے ہیں۔" وہ سمیر اور سارہ وغیرہ کو تمسخرانہ نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"شاہ میر...... رکو بات سنو......" انیسہ بیگم لپک کے پاس آئیں۔

"امی! بہت غلط کیا ہے آپ نے مجھے اندھیرے میں رکھ کے اور میں جانتا ہوں، آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میرے پاکستان سے جانے سے چند دن پہلے ہی آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ میں عیدہ کو "پسند" کرنے لگا ہوں، اسی لیے جب بھی فون پہ عیدہ کے بارے میں پوچھتا تھا۔ آپ ٹھیک سے جواب نہیں دیتی تھیں لیکن آج آپ سب کے سامنے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں میں عیدہ کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ چاہے جس حال میں بھی ہے، میری شادی اسی سے ہوگی اور اگر میرے اس فیصلے پہ آپ لوگوں میں سے کسی کو بھی اعتراض ہے وہ بے شک میری شادی میں شریک نہ ہو، مجھے کوئی پروا نہیں ہوگی۔" اپنی بات کہہ کر وہ باہر نکل گیا جبکہ وہاں موجود تمام افراد کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆☆☆

"عیبہ۔ایم سوری، سب کے ساتھ ساتھ میں بھی تمہارا مجرم ہوں۔" شاہ میر صبح صبح اس کے کمرے میں آیا تھا اور اس کے سامنے مجرموں کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"میرا مجرم کوئی بھی نہیں ہے۔ مجرم تو میں خود ہوں اور سزا بھگت رہی ہوں۔ بس یہی بہت ہے۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"عیبہ! مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو چکا ہے ورنہ میں یقیناً تمہیں کال کرتا، تم سے بات کرتا، بہت شرمندہ ہوں تم سے۔" شاہ میر اپنی ندامت، اپنی شرمندگی لفظوں میں بیان نہیں کر پا رہا تھا۔

"میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں کہ آپ کو میرے سامنے اس طرح شرمندہ ہونا پڑے اور ضروری نہیں کہ آپ مجھے کال کرتے، مجھ سے بات کرتے، میرا حال پوچھتے، بس وقت گزرنا تھا، گزر گیا۔" عیبہ نے اپنے مخصوص بے تاثر لب و لہجے میں کہا تھا۔

"وقت کو ایسے نہیں گزرنا چاہیے تھا عیبہ!" شاہ میر کو پچھتاوا گھیر رہا تھا۔

لیکن عیبہ اس اسٹیج پہ تھی جہاں کسی کی بھی دکھ، ملال، پچھتاوا، اپنائیت اور معافی تلافی کوئی معنی نہیں رکھتے تھے، جہاں وہ بے حسی کی چادر اوڑھ چکی تھی۔

آج سے دو سال پہلے اپنے چہرے پہ پشیمانی لیے اس کے والد محترم فیروز گیلانی بھی اسی طرح اس کے پاس آئے تھے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ رہے تھے جس پہ کچھ بھی کہے بغیر عیبہ بہت ہی نارمل سے انداز میں پیش آئی تھی اور اس کا یہ لیا دیا انداز اب ہر ایک کے لیے مخصوص ہو چکا تھا۔

شاہ میر کو پاکستان آئے ہوئے ایک ماہ ہو چکا تھا۔ جب اس جھیل میں کنکر پڑا تھا اور لہریں دور تک پھیلی تھیں۔

"ہرگز نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں شاہ میر نواز کا نام بھی نہیں سننا چاہتی اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اس سے شادی کر لوں۔" وہ اتنے زور سے چلائی تھی کہ اس کی آواز کمرے سے باہر تک سنی گئی تھی۔

وہ چیخ چیخ کر جیسے پاگل ہونے لگی تھی اور فیروز گیلانی چپ چاپ سر جھکائے کمرے سے باہر آ گئے تھے۔

شاہ میر اس وقت گھر پہ نہیں تھا جب گھر آیا تو پہلا سامنا انیسہ بیگم سے ہی ہوا تھا۔

"مبارک ہو بیٹا! آپ کی چہیتی نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ اس کے باپ نے پوچھا تھا، اس سے کہہ رہی تھی کہ میں تو شاہ میر کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی، شادی تو دور کی بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں، ایسا ہو ہی جاتا ہے، اسے انکار کرنے کا پورا حق ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ کیا اچھا کیا جو وہ میرے پرپوزل پہ خوش ہوتی پھرے۔ وہ ایک بار نہیں دس بار انکار کرے تب بھی کم ہے۔" ڈرائنگ روم کے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا تھا اور انیسہ بیگم پہلے اس کی بات پہ حیران پھر خوش ہوئی تھیں۔

"گویا تم اس کا انکار تسلیم کر چکے ہو؟"

"میں نے یہ کب کہا امی! میں تو یہ کہہ رہا ہوں وہ انکار کرتی ہے تو کرے، میں اسے مناؤں گا، وہ دس بار انکار کرے گی، میں دس بار مناؤں

گا۔" سرشار سے انداز میں صوفے پہ نیم دراز ہو گیا تھا، اور عیشہ بیگم کلس کے رہ گئیں۔

اور پھر یہ روز ہونے لگا تھا، وہ شاہ میر کے پرپوزل سے اس قدر چڑ چکی تھی کہ کوئی نام بھی لے لیتا تو وہ چیخنے چلانے لگی تھی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ فیروز گیلانی پہ اور شاہ میر اس ہنگامے کی آواز سن کر اس کے کمرے میں ہی آ گیا تھا، جہاں فیروز گیلانی مجرم بنے بیٹھے تھے۔ جب شاہ میر نے خود صاف صاف بات کرنے کا سوچا تھا اور جب غصے میں آ گیا تو اپنے کمرے سے اپنی ڈائریاں اور گفٹس اٹھا لایا تھا، یہ ڈائریاں اس نے انگلینڈ میں لکھنا شروع کی تھیں اور ان ڈائریوں میں تحریر لفظوں کا مرکز صرف اور صرف عیدہ کی ذات تھی۔ وہ عیدہ جو شاہ میر کے پرپوزل کو محض ایک ہمدردی اور ندامت کا نام دے رہی تھی وہ اس کی ڈائریوں میں تحریر محبت اور چاہت کو پڑھ کر دم بخود رہ گئی تھی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان گفٹس کو دیکھ رہی تھی جو شاہ میر اس کے لیے لے کر آیا تھا۔ کپڑے، جوتے، جیولری، کاسمیٹکس ہر چیز کا اس نے خاص دھیان رکھا تھا۔ ایک ایک چیز کو بہت احتیاط اور بہت چاہت سے پیک کیا ہوا تھا۔ اس کی محبت اس کے لفظوں سے اس کی چیزوں سے ہی چھلکی پڑ رہی تھی۔ عیدہ گنگ سی ہو چکی تھی۔

☆☆☆

"مگر میں پھر بھی یہ شادی نہیں کر سکتی، میں جس حال میں ہوں، ٹھیک ہوں، مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں۔" سب کچھ جان لینے کے بعد عیدہ کا لہجہ تو بدل گیا تھا لیکن بیان اب بھی نہیں بدلا تھا۔ وہ اب بھی شادی سے انکاری تھی۔

"مجھے وجہ بتا سکتی ہو؟" شاہ میر سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پلیز آپ چلے جائیں یہاں سے مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ رخ موڑتے ہوئے بولی تھی۔

"کیوں چھوڑ دیں اکیلا، کس لیے، ہر بات پہ تم نے ایک ہی رٹ لگائی ہوتی ہے۔ آخر تم چاہتی کیا ہو، کیوں بھاگتی ہو سب سے؟" شاہ میر نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

"کیوں سب مجھ سے بھاگتے رہے ہیں، کیونکہ سب نے مجھے نفرت، تنہائی اور اکیلے پن کے سوا کچھ نہیں دیا، کیونکہ آپ کی ماں میری شکل دیکھنا بھی نہیں چاہتیں اس لیے کہ آپ کی یہ نام نہاد محبت، اپنائیت اور ہمدردی مجھے چلنے کی طاقت نہ دے۔ آج اتنے سالوں بعد آپ کا یہ اپنا پن میرے کسی کام کا نہیں ہے۔ مجھے جب سب کی ضرورت تھی تب کبھی کسی نے میرے کمرے میں جھانکا تک نہیں تھا، یہاں تک کہ میرے باپ کو بھی میری پروا نہیں تھی۔ آج اگر سب کے دل میں میرے لیے درد جاگا ہے تو میرے کس کام کا؟ آپ کا یہ "آج کا درد" میرے گزرے ہوئے درد کو کم نہیں کر سکتا۔ آپ کی یہ ہمدردی میری اذیت میرے دکھ کو نہیں سمیٹ سکتی۔ جن اذیت ناک راتوں کو میں نے اکیلے جاگ کر گزارا ہے، وہ میں بھلا دوں بھی تو کیسے؟" عیدہ شاہ میر کے سوال پہ چیخ گئی تھی، اس کے آنسو رخساروں کو بھگوتے چلے گئے تھے۔

"عیدہ! پلیز مجھے گزرے وقت کا آئینہ مت دکھاؤ جو میری بے خبری اور نادانستگی میں ہو چکا ہے، اس کی سزا نہ دو۔ میرے جذبات کو میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرو، بے شک تمہیں اپنی مرضی کرنے کا اختیار ہے لیکن پلیز صرف ایک بار میری محبت کا تو سوچ لو۔" شاہ میر کا لہجہ التجائیہ ہو گیا تھا۔

"نہیں چاہیے مجھے کسی کی محبت، نفرت کرتی ہوں میں آپ سے، دور ہو جائیں میری نظروں سے، چلے جائیں یہاں سے۔" وہ کہتے کہتے

چلانے لگی، اس کا انداز جنونی سا ہو رہا تھا۔ شاہ میر نے اُسے روکنا چاہا تو وہ شاہ میر کے گلے پڑ گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ عینہ ایک بار دل کھول کر اپنے اندر کا غبار نکال لے۔ تمام گلے، شکوے اور غصہ سب ایک ساتھ بہا ڈالے اور شاہ میر کی توقع کے مطابق ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ روتے روتے تھک گئی تو اسی کے کندھے پہ سر رکھ کے سسکنے لگی تھی اور شاہ میر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے اسے اپنی محبت اور اپنی ذات کا مان بخشا تھا اور عینہ اپنی سسکیوں میں نہ جانے کیا کیا کہتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

عینہ کی شرط تھی کہ وہ شادی کے بعد "گیلانی ہاؤس" میں نہیں رہے گی اور شاہ میر نے اس کی یہ شرط آنکھیں بند کر کے مان لی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ گھر کے ماحول سے نکلنا چاہتی تھی، اسی لیے اس نے چند دنوں میں ہی اپنے لیے ایک فلیٹ کا بندوبست کر لیا تھا اور آج وہ دھوم دھام سے اسے رخصت کروا کے اپنے ساتھ لے آیا تھا اور پہلے قدم پہ ہی عینہ گھبرا گئی تھی، کیونکہ مسئلہ سیکنڈ فلور پہ جانے کا تھا۔ عینہ دلہن بنی گاڑی میں بیٹھی تھی اور شاہ میر فلیٹس کی بلڈنگ کو معنی خیزی سے دیکھتا ہوا عینہ کی سائیڈ میں آیا تھا۔ "کیا خیال ہے دلہن صاحبہ سیڑھیوں پہ انجوائے کرتے ہوئے جائیں کہ لفٹ کا سہارا لیں۔" عینہ کا چہرہ جھکا ہوا تھا، اس کے لہجے اور بات پہ مزید جھک گیا تھا۔

"لفٹ سے چلتے ہیں۔" عینہ نے آہستگی سے کہا تھا۔

"یہی تو میں سننا چاہتا تھا جناب" شاہ میر شرارت سے ہنسا اور گاڑی کو لاک کرتے ہوئے اس نے عینہ کو پورے استحقاق سے بازوؤں میں اٹھا لیا تھا۔

بیڈروم کا دروازہ کھولتے ہی تازہ گلاب کے پھولوں کی مہک نے چار سو پھیلتے ہوئے ان کا بھرپور استقبال کیا تھا۔ شاہ میر نے عینہ کو بڑے مان کے ساتھ بیڈ پہ بٹھایا تھا اور کمرے کو دیکھ کر عینہ کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اسے شاید اندازہ نہیں تھا شاہ میر کمرے کو اتنا ڈیکوریٹ کرے گا۔ پورا کمرہ تازہ پھولوں سے سجا ہوا تھا اور اس کے علاوہ کمرے کی دیگر ڈیکوریشن اور کلر کمبی نیشن بہت خوبصورت تھے۔ عینہ نے ایک ایک چیز کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو یار! کیا بیڈروم اچھا نہیں لگا؟" شاہ میر دروازے لاک کر کے واپس آیا تو عینہ کو ایک ہی زاویے سے بیٹھے دیکھ کر پوچھ لیا تھا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے فوراً چہرہ جھکا لیا تھا کیونکہ آنکھوں کے گوشے بھیگ چکے تھے۔

"پھر کیسی بات ہے؟" شاہ میر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔

"میں اتنی محبت اور اپنائیت کی عادی نہیں ہوں شاہ میر!" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"میرے ساتھ رہو گی تو عادی بھی ہو جاؤ گی۔ تمہیں اتنا پیار دوں گا کہ تم مجھ سے پیار کرنے لگو گی۔" وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا تھا۔

☆☆☆

"گڈ مارننگ سویٹ ہارٹ!" وہ گہری پرسکون نیند سو رہی تھی، جب شاہ میر نے اس کے کان کے قریب کافی گمبھیر آواز میں اسے مارننگ وش کرتے ہوئے نیند سے جگا دیا تھا، اور عینہ کے چہرے پہ بکھرے بال آہستگی سے پیچھے ہٹا کر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا۔

''اتنی جلدی؟'' صبا نے ٹائم دیکھ کر کہا۔

''رانیہ آپی کی کال آئی تھی وہ ہمارے لیے ناشتہ لے کر آ رہی ہیں، اس لیے سوچا تمہیں جگا دوں۔'' شاہ میر نے اس کو اپنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے اٹھا کر بٹھایا تھا۔

''لیکن پھر تو میں لیٹ ہو جاؤں گی، مجھے تیار ہونا ہے۔''

''کوئی بات نہیں یار! میں تمہیں واش روم چھوڑ آتا ہوں۔ آپی کے آنے تک تم شاور لے کر فریش ہو جاؤ، تمہارے کپڑے اور تولیہ میں واش روم میں رکھ آیا ہوں۔'' اسے وہیل چیئر پہ بٹھا کر شاہ میر باتھ روم میں لے آیا تھا۔ صابن، شیمپو، تولیہ، باڈی اسپرے سب کچھ وہ اس کے قریب رکھ کے پانی چیک کر کے باہر چلا گیا تھا اور صبا کتنے ہی لمحے اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

''گڈ مارننگ ڈیئر'' رانیہ آپی نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر وش کیا تھا۔

''گڈ مارننگ'' شاہ میر، حمزہ اور سونی کو پیار کرتا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''صبا کہاں ہے؟''

''وہ شاور لے رہی ہے۔''

''او کے۔ تم بیٹھو میں ناشتا نکالتی ہوں جب تک وہ بھی آ جائے گی۔'' رانیہ آپی ان کے چھوٹے سے امریکن اسٹائل کچن کی سمت بڑھ گئیں۔

''کیسا فیل کر رہے ہو شادی کے بعد؟'' انہوں نے اسے چھیڑا تھا شاہ میر مسکرا دیا۔

''ابھی تو صرف خوشی فیل کر رہا ہوں لیکن میں اس خوشی کو بہت زیادہ خوشی میں تبدیل کرنا چاہتا ہوں، قسمت کے ساتھ کوشش اور محنت کا کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔'' شاہ میر کا لہجہ ایک ترنگ لیے ہوئے تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب بہت خاص ہے آپی! میں صبا کو اس کے قدموں پہ دوبارہ کھڑا کرنا چاہتا ہوں اس کے لیے چاہے مجھے دن رات محنت کرنی پڑے، میں نے آج دن بارہ بجے ایک ڈاکٹر سے ٹائم لے رکھا ہے جو صبا کا چیک اپ کرنے کے بعد اس کا ٹریٹ منٹ شروع کریں گے۔'' شاہ میر کی بات پہ رانیہ آپی کو حیرت ہوئی تھی۔

''کیا صبا ٹھیک ہو سکتی ہے؟''

''آپی، خدا چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا میں نے صبا کا مسئلہ ان کے ساتھ شیئر کیا تھا اور انہوں نے مجھے اچھی کی امید دلائی ہے اور ویسے بھی مجھے اس کی پاک ذات پہ پورا یقین ہے، انشاء اللہ صبا بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔'' شاہ میر کا لہجہ پر یقین تھا۔

وہیل چیئر پر بیٹھی صبا کے آنسو چھلک پڑے، وہ شاہ میر کی باتیں سن کر رو پڑی تھی۔ اب اگر وہ نہ بھی ٹھیک ہوتی تو اسے کوئی غم نہیں تھا کیونکہ اب اس کا احساس کرنے والا اس کا درد بانٹنے والا ساتھی اس کے ساتھ تھا۔

☆☆☆

شاہ میر کی مسلسل ایکسرسائز، مساج، میڈیسن اور توجہ نے یہ دن دکھایا تھا کہ پورے آٹھ ماہ بعد عینہ نے چار سال بعد پہلا قدم اٹھایا تھا، وہ شاہ میر کا سہارا لے کر چلنے کی کوشش کرنے لگی تھی، پھر اگلے چار ماہ تک اسٹک کا سہارا لینے لگی تھی اور ٹھیک دو سال بعد عینہ اپنے قدموں پہ چل کے واپس ''گیلانی ہاؤس'' آئی تھی اپنے پاپا سے ملنے۔

''عینہ..... میری بچی.....!'' وہ اسے دیکھ کے بے یقین ہو گئے تھے۔

''کیسے ہیں پاپا؟ وہ ان کے گلے لگ گئی تھی۔

''کون آیا ہے؟'' انیسہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

''السلام علیکم تائی آنٹی!'' عینہ سلام کرتے ہوئے ان کی سمت بڑھی۔

لیکن انیسہ بیگم ساکت سی کھڑی تھیں۔ بلیک اور سلور کمبی نیشن کی ساڑھی میں شولڈر کٹ بالوں اور ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ عینہ تو پہچانی ہی نہیں جا رہی تھی۔ عینہ نے شاہ میر کو دیکھا۔

''امی عینہ آپ کو سلام کہہ رہی ہے۔'' اس نے ماں کو متوجہ کیا تھا۔

''ہوں..... ہاں.....'' انہوں نے کھوئے ہوئے انداز میں اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''بیٹا یہ سب کیسے؟'' فیروز گیلانی خوشی سے بول نہیں پا رہے تھے۔

''یہ سب سرپرائز تھا آپ لوگوں کے لیے۔ عینہ بہت عرصہ سے چلنے پھرنے میں کافی امپروو کر رہی تھی لیکن ہم نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا، یہ بات راز رکھی تھی۔'' شاہ میر نے عینہ کو والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، سب ہی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''یہ سب میرے خدا کا اور میرے مسیحا کا کمال ہے۔ ایک ایسا مسیحا جو میرے دل میں ہی نہیں میری روح میں بھی بستا ہے۔'' عینہ کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''آج ہماری شادی کی دوسری سالگرہ ہے اور ہم نے اپنے گھر پہ ایک چھوٹی سی پارٹی ارینج کی ہے جس کے لیے ہم آپ سب کو انوائٹ کرنے آئے ہیں۔'' عینہ نے سب کو دعوت دی تھی۔

اور سمیر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

''بھئی آپ لوگ تو چھپے رستم نکلے ہو، سب کچھ اکیلے ہی اکیلے کر لیا اور ہمیں پتہ ہی نہیں چلا۔ محبت ہو تو ایسی ہو۔''

عینہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

نواز گیلانی بھی بیٹے کی محبت اور محنت دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے تھے اور شاہ میر کی خوشی بیان سے باہر تھی کہ اس کی محبت رنگ لائی تھی۔

✿.....✿